PosTal Regd.No.LW/NP/63/2003to2005

February - 2005

Vol. No.4 - Issue NO.8

Fornightly

Tameer-e-Hayat

Nadwatul Ulama, Lucknow-226007

R.N.I. No.UP URD/2001/6071

مہمان خانہ (0522)2740151

دفتر اہتمام 2741272

رابطہ ادب اسلامی (فیکس) 2741221

شعبہ تعمیر وترقی (فیکس) 2741231

Phone : 0522-2274606(s)
® : 2616731

Mobile : 0522-9415786548

Mohd. Akram JEWELLERS

محمد اکرم جویلرس

Near : Odeon Cinema, Lucknow.

Phone : 2266786

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

ثناء جویلرس

Sana Jewellers

۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ
301/12, Sarai Bans,
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Phone : 2260433

جدید و دلکش سونے، چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس

Gehna Palace

Whenever You See Jewellery,
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

Resi : 226177
Akbari Gate : 2268845

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام Shop : 9415002532
2613736
3958875

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala, Aminabda, Lucknow- 18

Md. Salman
Md.Zubair

Shop : 2218629
Resi : 2229265
Mob : 9415028247

SAHARA FOOT WEAR

Wholesaler

35, Amethi House, Near Post Office,
Aminabad, Lucknow

Editor : **Shamsul Haq Nadwi** Office Ph : 2741235(Ext) 18 Printed & Published by **Athar Husain**
on behalf of **Nadwatul Ulama** at **Parekh Offset Printing Press**, Tagore Marg, Lko. Ph :2740966

اشاعت کے ۴۲ ویں سال

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جذباتِ تفاخر جذباتِ خدمت کو فنا کر سکتے ہیں

اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ساری تعریف کا مستحق صرف خدا ہے۔ الحمدللہ اگر مجھ میں کوئی چیز قابل تعریف ہے تو اس کا مستحق بھی میں نہیں بلکہ میرا بنانے والا۔ نہایت کافی ہوتا اگر آپ نے بحضور قلب اپنے خدا کا شکر ادا کیا ہوتا کہ اس نے مجھے مسلمانوں اور اسلام کی خدمت کے قابل بنایا۔ دوسری شکایت آپ سے یہ ہے کہ آپ نے میری تعریف کر کے اور خصوصاً مجھے اس سے مطلع کر کے میرے اندر جذباتِ تفاخر پیدا کرنے کی کوشش کی جو تھوڑی سی غفلت میں جذباتِ خدمت کو فنا کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس تحفہ کے شکریہ کے طور پر آپ سے متمنی ہوں کہ آئندہ سوائے خدا کے کسی کی تعریف نہ کیا کیجئے اور شعراء اور ادیبوں کے اس راستے کو چھوڑیئے جو ترکستان لے جاتا ہے اور کعبہ سے بیگانہ بناتا ہے۔

(نواب بہادر یار جنگ کا ایک مکتوب ادیب الملک مولانا عقیل صاحب لاہور کے نام-۱۹۴۲ء)

۱۰/مارچ ۲۰۰۵ء

Rs 7/-

مناجات باری تعالیٰ

''انتخاب نظیر'' کا آخری عنوان ''مناجات باری تعالیٰ'' ہے۔ اس نظم میں نظیر نے شیخ سعدی شیرازیؒ کی مشہور مناجات ''کریما بہ بخشائے برحال ما'' کے تین اشعار پر اپنے مصرعوں سے گرہ لگائی ہے۔

سدا دل سے اے مومن پاکباز وضو کرکے پڑھ پنج وقتی نماز
بوقت مناجات باصد نیاز یہ کہہ اپنے ہاتھوں کو کرکے دراز
کریما بہ بخشائے بر حال ما
کہ ہستم اسیرِ کمند ہوا

الٰہی تو ستار و غفار ہے مرا یاں گناہوں سے انبار ہے
نہ حامی کوئی نہ مددگار ہے اب اس بے کسی میں تو ہی یار ہے
نہ داریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

ہوئے جرم تجھ سے صغیر و کبیر پڑا ہے تو دام گنہ میں اسیر
ذرا خواب غفلت سے چونک اے نظیر دعا مانگ جلد اور کہہ اے خبیر
نگہدار مارا زراہ خطا
خطا در گذار و صوابم نما

شیخ سعدیؒ کے جو فارسی کے اشعار ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

''اے کریم آقا! میں ہوا و ہوس کے پھندے میں قید ہوں ہمارے حال پر رحم کرتے ہوئے اس صورتِ حال سے نجات دے اور گناہوں کو بخش دے، ترے سوا ہمارے گناہوں کو کوئی بخشنے والا نہیں ہے تو ہی ہے جو ہماری فریاد کو سن سکتا ہے، گناہ کے راستوں سے ہمیں بچا، قصور معاف کردے اور راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما''۔

(ماخوذ از ''متاع قلم'': مولانا رضوان القاسمی مرحوم)

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ اشاعت کے ۴۲ رسال

جلد نمبر ۴۲ ۱۰ر مارچ ۲۰۰۵ء مطابق محرم الحرام ۱۴۲۶ھ شمارہ نمبر ۸

زیر سرپرستی:
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:
حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)
پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام
مولانا شمس الحق ندوی
معاون
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر
امین الدین شجاع الدین
معاون
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
• مولانا نذر الحفیظ ندوی • مولانا عبداللہ حسنی ندوی
• مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زرتعاون
سالانہ -/۱۵۰ فی شمارہ -/۷
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ر ڈالر
ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayaat
Post Box No. 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007
فون (دفتر) 18 (0522) 2740151 مہمان خانہ 2787250 (Ext)
Website : www.nadwatululama.org
e-mail : Nadwa@sancharnet.in
thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسنین نے پاریکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، نیگور مارگ، لکھنؤ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہ کرم سالانہ زرتعاون ۱۵۰ روپے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

قدرت کے نظام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی (اداریہ)	حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی	۳
حسد اور اس کا علاج	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی	۲
سورہ فاتحہ	علامہ سید سلیمان ندوی	۴
اولاد کے لئے باپ کا بہترین تحفہ	مولانا محمد حنیف ملی	۸
اخلاص اور صدق	حضرت امام غزالی	۹
امت مسلمہ کی حیثیت اور وزن	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	۱۱
رپورٹ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ	حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ	۱۳
رشتہ وذرہ کا باہتاب سے	جناب مولانا محمد ولی رحمانی صاحب	۱۷
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	جناب مولانا ابوظفر حسان ندوی ازہری	۲۰
ہمیں دائمی امت ہیں	ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی	۲۳
اسلامی ادب پر اسلامی تہذیب کے اثرات	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۲۵
متاع قلم	شورش کاشمیری	۳۰
روداد چمن	محمد اعظم ندوی جمشید پوری	۳۱
امریکہ میں اسلام کیسے پہونچا	ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی	۳۲

نور بصیرت

حسد اور اس کا علاج

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی

شیطان کی طرف آدمی جھک گیا، یہ ہے کہ شیطان کی پہلی بُرائی یعنی حسد کا شکار ہو جائے یہ پہلا مرض ہے، جس کا شیطان میں ظہور ہوا، فرمایا کہ حاسد غریب کا عجب حال ہوتا ہے۔

الغرض کمال ظہور کسی میں ہونا شرط ہے اور حاسد غریب پر قولنج کے دورے پڑنے لگتے ہیں، درد سے تڑپتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ۔

اپنی کھلیان میں آگ لگا کر چاہتا ہے کہ کسی کے گھر میں دیا روشن نہ ہو۔ (دفتر چہارم) علاج حسد: مولانا نے فرمایا کہ حسد کے مرض سے نجات پانے کی ایک ہی راہ ہے کہ آدمی خود اپنے اندر کسی کمال کو پیدا کرے، جب خود کمال ہوگا تو دوسروں کے کمال کو دیکھ کر نہ جلے گا، جلتے وہی ہیں جو خود کمال سے خالی ہوتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ جیسے خود مفلس ہیں دوسرے بھی مفلس ہو جائیں۔ (اور سارے کمالات میں بڑا کمال یہ ہے) کہ آدمی کسی باطنی شغل میں مشغول ہو جائے، ایک گھونٹ بھی اس شراب کی جسے میسر آجاتی ہے پھر اسی میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ پھر اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ سارے جہاں میں کیا ہو رہا ہے، ارشاد ہوا کہ ایک مٹھی بھنگ میں خاصیت ہے کہ پینے والوں کو دونوں جہاں سے تھوڑی دیر کے لئے غافل بنا دے، پھر باطن والی شراب کی خاصیت کا کون اندازہ کر سکتا ہے، نیند ہی کو دیکھو طاری ہوئی اور دونوں جہاں سے آدمی بے خبر ہو گیا، تم نے سنا ہوگا غریب مجنوں کھال کے عشق میں ایسا دیوانہ ہوا کہ دوست دشمن کی تمیز جاتی رہی۔

الغرض قدرت نے انسان کے اندر احساسات پیدا کئے ان احساسات کے لئے ایسی دوائیں قدرت نے مقرر کر رکھی ہیں جن میں ان کا مداوا ہے۔ مگر مستی پیدا کرنے والی اس شراب کے استعمال سے پہلے ضرورت ہے کہ استعمال کرنے والا دیکھے کہ اس کی یہ مستی استعمال کرنے والے کو کدھر لے جاتی ہے ایک شراب وہ بھی ہے کہ پینے والا نفس کی خواہشوں میں غرق ہو کر سب کچھ بھول جاتا ہے، اور شراب ہی کی ایک قسم وہ بھی ہے جو عقل کو ایک منزل سے منزل کی طرف کھینچ کر پہونچاتی ہے، حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ آسمانوں کے خیموں کو پھاڑ کر آگے کی راہ آدمی کے سامنے لے آتا ہے۔

پس صرف ''مستی'' مطلوب نہیں ہے، بلکہ مست آدمی کس میں ہوا ہے، دیکھنے کی بات صرف یہ ہے، آخر گدھا بھی تو مست ہی ہوتا ہے، لیکن کس چیز کا مست؟ جَو کی چند مٹھیوں کا، اور مسیح علیہ السلام بھی مست تھے کس کے؟ حق کے۔

بہر حال شراب خانوں میں بھری ہوئی ہے احتیاط شرط ہے، کس خم کی شراب پی رہے ہو، پہلے چکھ کر اندازہ کر لو، تم کو مست کرنے والی شراب ان ہی خمخانوں میں ایسی بھی مل جائے گی کہ ''مستیت آرد، کشاں تا رب دیں'' دین والے رب کی مستی جس سے پیدا ہو اسی شراب کو تلاش کرو۔

یعنی یہی وہ مستی ہے جو آدمی کو اس مہلک مرض سے شفاء بخشتی ہے جس کا نام ''وسواس'' ہے اور جیسے اونٹ ناچنے لگتا ہے، اس شراب کا مست عقل کے بیکوے (عقال) سے نکل کر محو رقص ہو جاتا ہے (دفتر چہارم) ☆☆☆☆

دعائے مغفرت

مولانا محمد ابراہیم صاحب استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء کے والد ماجد انتقال فرما گئے، مولانا مرحوم ندوی تھے۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اداریہ

قدرت کے نظام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی

حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی

ہم جہاں بھی رہیں، جس حال میں بھی رہیں ہر حال میں عالم اسلام کے نمائندہ ہیں، سیلاب آتا ہے تو صرف شر پسند اور فتنہ پرور عناصر کو تباہ نہیں کرتا بلکہ صلح پسند، امن پسند، انسانیت کے دوست اور ہمدرد سب تباہ ہوتے ہیں، کسی قدیم شاعر نے کہا تھا:

پرتوِ مہر و ویرانی و آباد یکیست
حسن چوں تیغ کشد بندہ و آزاد یکیست

''یعنی سورج کی کرنیں جہاں محلوں اور قلعوں پر پڑتی ہیں وہاں جھونپڑوں کو بھی روشن کرتی ہیں۔ حسن جب اپنا جلوہ دکھاتا ہے تو جہاں پابند سلاسل قیدی اس کی جلوہ گری سے محروم نہیں رہتے وہاں آزاد بندے بھی گرفتار ہو جاتے ہیں''

شاعروں کی بات شعر کی حد تک ہے، یہ شعر تو کسی بزرگ کے بارے میں کہا گیا ہے، لیکن اس کے برعکس صورت حال پیش آئے تو وہاں بھی یہ شعر صادق آئے گا کہ آفت آئے گی تو سب پر آئے گی، دریا میں کشتی ڈوبے گی تو جتنے سوار ہیں سب ڈوبیں گے، آسمان سے بجلی گرے گی تو کوئی محفوظ نہیں رہے گا، عالم اسلام میں اللہ کے بندے لاکھوں ہیں اور وہ بھی ہیں جن کے بارے میں علامہ اقبال کہہ گئے ہیں ''کرتے ہیں ظالم جو اشک صبح گاہی سے وضو'' جن کے قلب و دماغ کا تار مشیت الٰہی سے بندھا ہوا ہے، اور جن کی ہر سانس یاد الٰہی میں اندر جاتی اور ذکر خداوندی میں باہر آتی ہے، دعائے نیم شبی اور مناجات سحر گاہی کی تاثیر سے کوئی باشعور انسان انکار نہیں کر سکتا، لیکن یہ بھی سنت الٰہی ہے کہ معاشرہ کا بگاڑ پوری آبادی کو بگاڑ دیتا ہے، جہاں ایسے لوگ بڑھ جائیں جو اپنے مقصد حیات کو بھول چکے ہیں اور کسی عنوان سے دوسرے بنی نوع انساں سے مختلف نہیں ہیں، بدی، بدنیتی، بدمستی، دنیا کی ہوس جہاں چھا گئی ہو اور جہاں حلال و حرام کے درمیان تمیز اٹھ گئی ہو اور سوائے ذاتی منفعت کے تمام معیار ختم ہو گئے ہوں اور لذت پرستی زندگی کا شعار بن گئی ہو تو پھر ہم کو دوسروں پر ترجیح کس بات پر دی جائے ہمارے اندر، فرقوں کے اندر فرقے پیدا ہوتے جا رہے ہیں، احزاب (پارٹیاں) ایک مقصد سے قائم ہونے والی جماعتیں بے شمار گروہوں میں پھیل چکی ہیں، مثال کے طور پر اپنے ملک میں دیکھئے جہاں اہل سنت مسلمانوں کی اکثریت ہے، اہل سنت کے اندر ایک نہیں متعدد گروہ ہیں، جو آپس میں برسر پیکار ہیں، جو حنفی ہیں اور اپنے کو حنفیت میں بہت پختہ اور اہل سنت ہونے میں اپنے کو پختہ تر سمجھتے ہیں وہ ان جماعتوں سے نہ صرف خار کھاتے ہیں بلکہ ان کی تباہی کے منتظر ہیں جو بعینہٖ انہی کی طرح حنیف کے پابند ہیں، کسی نے کہا یہ سب ایک ہیں، کوئی کہتا ہے میرا صنم سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اس کو آ کر پوجو، دوسرے کا صنم مٹی کا بنا ہوا ہے اس کو چھوڑ دو تو جس قوم میں اتنی تفریق ہے کہ اپنے گھر پر حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو پھر ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مظلوم ہیں، ان پر یہود چھا گئے ہیں، نصرانیوں کی سازش ان کے مقابلہ میں کامیاب ہو گئی ہے۔ یہ بات اس طرح کہی جاتی ہے گویا مسلمانوں پر بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت آ گئی ہے، اور وہ بے قصور ہیں، اور وہ اس طرح مبتلائے مصیبت ہیں جیسے کسی پر بجلی گر پڑے، یا کوئی سیلاب میں ڈوب مرے، حالانکہ صورت حال مختلف اور عدل خداوندی پر اتہام ہے، وہ اپنی تفریق اور آئے دن اپنی سستی شہرت کے لئے نئے نئے مذہب ایجاد کر رہے ہیں اور نہ ان کا کوئی قائد ہے جو تمام احزاب کو اپنی ہدایت کا پابند کرے۔ ایک بیماری دس بیماریوں کو پیدا کرتی ہے اور ایک کمزوری پیش خیمہ ہوتی ہے سیکڑوں کمزوریوں کا۔ لہٰذا اگر اللہ کی مدد پر واقعی بھروسہ ہے اس کے بنائے ہوئے نظام سے منہ موڑ کر اور فرمان الٰہی کو چیلنج دے کر کوئی بگڑی نہیں بنا سکتا یہ اللہ کا نظام ہے، سنت الٰہی ہے، جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

ولن تجد لسنة الله تبديلا۔ (الاحزاب:۶۲) اور آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے ردّ و بدل نہ پاویں گے۔

سورۂ فاتحہ

نکات از: حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

حاشیہ از: حضرت مولانا محمد اویس نگرامیؒ

● اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم

☆ پناہ لیتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے

نکتہ تعوذ درحقیقت اعلیٰ توکل ہے(۱) کیوں کہ حاصل "تعوذ" کا یہ ہے کہ اے اللہ! مجھ میں تو اتنی طاقت نہیں کہ اپنے کس سے شیطان کا مقابلہ کروں اور اس پر غالب رہ سکوں، اس لئے میں اپنی قوت کی نفی کر کے بس آپ کی ذاتِ عزیز کا سہارا لیتا ہوں، اب آپ ہی کی مدد میری قوتِ بازو ہے اور آپ ہی کی حفاظت کا یقین میری ڈھال۔

تعوذ کا یہ مفہوم عین مطابق قرآن ہے، سورۂ نحل میں حق تعالیٰ نے "مومن متوکل" ہی کو مکرِ شیطانی سے محفوظ قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے: فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم، إنہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا و علی ربھم یتوکلون.

پس جب تو قرآن پڑھنے لگے تو پناہ مانگ اللہ کی، شیطان مردود سے۔ اس کا زور نہیں چلتا ان پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (سورۂ نحل: ۹۸-۹۹)

● بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ہے، رحیم ہے

نکات ☆ یہاں رحمٰن اور رحیم بدلِ معنی کے طور پر ہے!(۱) اس میں عیسائیوں کے اعتراض کا بھی جواب ہو گیا، جو مسلمانوں کے خدا کو محض جبار و قہار بتاتے ہیں۔(۲)

حاشیہ: (۱) یعنی اللہ، رحمٰن، رحیم ..... ایک ہی مسمّٰی کے یہ سب نام ہیں، یہ معنی قرآن سے پوری طرح مؤید ہیں، سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے: قل ادعو اللہ أو ادعوا الرحمن، أیاما تدعوا فلہ الأسماء الحسنیٰ.

(آپ) کہہ دیجئے خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے سو اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل: ۱۱۰)

اور یہ ارشاد کافروں کے اس سوال کے جواب میں ہے کہ وما الرحمن (القرآن) اور رحمٰن کیا ہے؟

نوٹ: عام طور پر مفسرین نے اللہ کو اسم ذات اور رحمٰن و رحیم کو اسمائے صفات قرار دے کر ان میں صفت و موصوف کا علاقہ بتایا ہے، اور یہ بھی درست ہے، مگر جو معنی اوپر بیان کئے گئے وہ زیادہ بلیغ ہیں۔

حاشیہ: (۲) کیوں کہ اسم "اللہ" کے بعد ہی قرآن پاک میں جو اسمائے ربانی لائے گئے ہیں وہ رحمٰن و رحیم ہیں اور ان دو میں سے بھی "رحمٰن" پہلے ہے جس کا اطلاق اسم اللہ، کی طرح کسی اور پر ہوتا ہی نہیں اور اسی وجہ سے رحمٰن کو بھی اسم ذات ہی مانا گیا ہے، تو اب مفہوم صاف یہ نکل آیا کہ مسلمانوں کا خدا، رحمت تمام ہے!!

● الحمد للّٰہ

حقیقت حمد اللہ ہی کے لئے ہے

نکتہ ☆ الحمد میں ال تحقیق حقیقت کے لئے ہے یعنی حقیقت حمد اللہ کے لئے بہر حال ثابت ہے، خواہ کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے(۱)

عام طور پر مفسرین نے ال کو کلمہ استغراق بتایا ہے جس کی رو سے الحمد کے معنی ہوتے ہیں، ساری تعریف خواہ کسی قسم کی بھی ہو، کوئی سی بھی ہو، اور بہ ظاہر کسی کے لئے بھی ہو، یہ معنی بھی درست ہیں، لیکن "ال" کو تحقیق حقیقت کے لئے ماننے سے لفظ الحمد کے معنی میں اور بھی بلندی اور خوبی پیدا ہو گئی کہ غیر اللہ سے حمد کی نفی بھی ہو گئی اور ذاتِ باری تعالیٰ کا کسی غیر کی حمد سے بے نیاز ہونا بھی ثابت ہو گیا جو ایک حقیقت کبریٰ ہے! قرآن پاک نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے:

إن اللہ ھو الغنی الحمید (لقمٰن: ۲۶)

یہ تحقیق کہ اللہ تو بے نیاز اور خود تمام خوبیوں والا ہے۔

إن اللّٰہ لھو الغني الحمید (الحج: ۶۴) تحقیق کہ اللہ ہی تو بے نیاز اور خود تمام خوبیوں والا ہے۔

إن تکفروا فإن اللہ غني عنکم (زمر: ۷) اگر تم کفر کرو تو اللہ کو تو تمہاری کچھ بھی حاجت نہیں۔

زعشق بد تمامِ ما جمال یار مستغنی ست
آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا
(حافظ)

اسی "حقیقتِ حمد" سے انسانوں کی بے خبری کا ذکر بھی قرآن پاک میں کئی جگہ موجود ہے۔

الحمد للہ، بل أکثرھم لا یعلمون. (نحل: ۷۵) حقیقت حمد تو اللہ ہی کے لئے مگر بہت لوگ اس کو جانتے نہیں۔

● رب العٰلمین، الرحمٰن الرحیم،

مالک یوم الدین.

جو مربی ہے ہر ہر عالم کا، رحمٰن و رحیم ہے، مالک ہے روزِ جزا کا

نکات: ☆ ربط کلام بصفتِ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ یوم دین قائم ہو۔(۱)

☆ ان آیات میں قیامت کا عقلی ثبوت بھی آ گیا کہ اگر یوم جزا قائم نہ ہو تو نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی رحمانیت و رحیمیت پر حرف آئے گا اس لئے عقلاً بھی، قیامت کا وقوع ضروری ہے(۲)

حاشیہ: (۱) و (۲) تاکہ برائی بھلائی نتیجہ خیز بن سکے ورنہ دنیا تو دار الجزاء نہیں اور اگر مر کر بھی کافر و مومن کا انجام محض فنا ہی ٹھیرا تو پھر دونوں میں امتیاز کیا باقی رہا؟ ..... حق تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت و عدل میں اس بے انصافی کا تصور بھی گناہِ عظیم ہے، قیامت ہی کے تذکرے میں ذرا اس قرآنی للکار کو سنئے:-

أفنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم وکف کیف تحکمون (القلم: ۳۵-۳۶)

تو کیا ہم مسلمانوں اور مجرموں (کافروں) کو یکساں کر دینگے؟ (ارے) تم کو کیا ہو گیا کیسا حکم لگاتے ہو!!

أفمن کان مؤمناً کمن کان فاسقاً، لا یستوٗن (السجدہ: ۱۸) تو کیا جو شخص مومن ہو گیا، اس شخص جیسا ہو جائے گا، جو نافرمان ہے؟ وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے! ألیس اللہ بأحکم الحاکمین (التین: ۸) کیا اللہ (تبارک و تعالیٰ) سب حاکموں سے بہتر حاکم نہیں؟

نوٹ: مفسرین نے رب العالمین، اور مالک یوم الدین میں کئی ربط نکالے ہیں مگر جو ربط حضرت علامہؒ نے بیان فرمایا وہ سب سے بہتر و حقیقی ہے اور (ففھمناھا سلیمان) والی حقیقت اس سے صاف جھلک رہی ہے!

● ایاک نعبد و ایاک نستعین

ہم تیری ہی عبادت کرتے اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں

نکتہ: یہ آیت پاک ایک ہی جملہ ہے

ایاک نعبد میں دعوئی کی صورت تھی، ایاک نستعین، بڑھا دینے سے اس کی نفی ہو گئی کہ ہم عبادت تو کرتے ہیں مگر یہ عبادت بھی محض تیری ہی مدد (توفیق) کی بنا پر ہے، ورنہ اپنے کئے سے کیا ہو سکتا تھا!(۱)

حاشیہ: (۱) عام طور پر مفسرین اس آیت پاک کو ایک نہیں بلکہ دو جملے الگ الگ قرار دیتے ہیں عبادت گذاری اور استمداد جن کے دو جدا جدا عنوان ہیں، مگر جو بات اوپر بیان کی گئی ہے اس سے معنی میں کس قدر لطافت و نزاکت پیدا ہو گئی ہے اور کمالِ عبدیت کا اس میں کس درجہ اظہار ہے کہ اور تو اور ایک سجدۂ نیاز مندی میں بھی تو بندہ محض توفیق الٰہی کا ہی محتاج ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی اسی حقیقت کا اعتراف قرآن پاک میں ملاحظہ ہو۔

وما توفیقی إلا باللہ (ھود: ۸۸) "مجھ کو جو کچھ توفیق (عمل) مل جاتی ہے وہ محض اللہ کی طرف سے ہے!" اور خاتم النبیین ﷺ کو تو حکم ہے کہ اس بات کو قاعدہ کلیہ کے طور پر سنا دیں:

قل إن الھدیٰ ھدی اللہ (آل عمران) آپ کہہ دیجئے کہ ہدایت تو (بس) اللہ ہی کی ہدایت ہے۔

● اھدنا الصراط المستقیم

چلا ہم کو سیدھا راستہ

نکات: ☆ ہدایت کے معنی راستہ دکھانے کے بھی آتے ہیں تو اب راستہ چلانے کے لئے بھی جب حق تعالیٰ سے مانگنا ٹھہرا تو بڑی ہی چیز کیوں نہ مانگی جائے کہ ہم کو سیدھے راستہ پر چلا دیجئے ☆ صراط مستقیم سے مراد انبیاء کرام کا راستہ ہے (ہود) (۱) خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور اسی معنی میں لفظ "ہادی" سارے انبیاء کے لئے آیا ہے: ولکل قوم ھاد (رعد) ہر قوم کیلئے راہ نما ہوتے چلے آئے ہیں

حاشیہ: (۱) ۔اس معنی میں ہدایت مخصوص ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے چنانچہ سردار انبیا ﷺ سے خطاب ہے:

إنک لا تھدي من أحببت ولکن اللہ یھدي من یشاء (قصص: ۵۶) (اے محمدؐ) آپ جس کو چاہیں راہ پر چلا نہیں سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے راہ پر چلا دیتا ہے۔

(۲) جس کا مقصود یہ ہے کہ منزلِ مقصود تک پہنچا دیجئے، حضرت شاہ عبد القادرؒ دہلوی نے بھی یہاں اھدنا کا ترجمہ "چلا ہم کو" ہی کیا ہے!

(۳) اس کا ذکر قرآن پاک میں مختلف مقامات پر آیا ہے مگر سورۂ انعام میں تو کلی طور پر یہ بات بتا دی گئی ہے کہ سارے انبیائے کرام ایک ہی راہ کے رہرو رہے ہیں اور وہ "صراط مستقیم" ہے! ..... حضرت ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی گنوا کر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن آبآءھم و ذرّیتھم و إخوانھم و اجتبینٰھم و ھدینٰھم إلیٰ صراط مستقیم۔ نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو، کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان سب کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو سیدھے راستہ پر چلایا (انعام: ۸۸)

اس مقام پر حضرت علامہ مسکراتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ میاں ملتے بھی تو صراط مستقیم ہی پر ہیں، دوسرے راستوں پر ڈھونڈنے سے وہ کہاں ملیں گے" پھر یہ آیت پاک تلاوت فرماتے ہیں:

إن ربي على صراط مستقيم (ھود:۶۵) تحقیق کہ میرا رب صراط مستقیم پر ہے (یعنی صراط مستقیم پر چلنے سے ملتا ہے)

(۵) یہ تخصیص بھی قرآن پاک ہی میں کئی جگہ ملتی ہے مثلاً سورہ نحل میں حضور اکرم ﷺ کو کیش ابراہیمی پر چلنے کی تاکید ہے، اس لئے کہ توحید میں کمال درسوخ حضرت ابراہیم کا امتیازی وصف ہے ..... ارشاد ہے:

ثم أوحينا إليك أن اتبع ملة إبراهيم حنيفاً، وما كان من المشركين، پھر ہم نے آپؐ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقہ پر جو کہ بالکل ایک طرف ہو رہے تھے چلئے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے!

● صراط الذين أنعمت عليهم

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا

☆ نکتہ: "أنعمت عليهم" سے مراد انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، (۱)

(۱) یہی معنی تمام مفسرین نے بیان کئے ہیں جو ذیل کی آیت میں درج ہیں:

ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين (نساء)۔ اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ اور رسول کی تو یہ لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین

● غير المغضوب عليهم ولا الضالين

نہ ان لوگوں کا (راستہ) جو مغضوب ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا

☆ نکات: "مغضوب" سے مراد یہودی ہیں (۱) اور "ضالین" سے مراد نصاریٰ (۲)!

بتایا یہ گیا ہے کہ ان دونوں کا فتنہ ایسا اشد ہے کہ مسلمانوں کو قیامت تک ان سے چوکس رہنا چاہیے۔

(۱) چنانچہ سورہ بقرہ میں ہے:

وضربت عليهم الذلة والمسكنة و باء و بغضب من الله، اور دے ماری گئی، ان (یہودیوں) پر ذلت اور پستی، اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے فباء و بغضب على غضب۔! سو وہ لوگ (یہودی) غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے۔ (نحل:۱۳۲)

(۲) چنانچہ سورۂ مائدہ میں عیسائی عقیدہ مریم و مسیح کے شریک فی الالوہیت ہونے کی تردید کرتے ہوئے ارشاد ہے:

قل يأهل الكتاب لا تغلوا في دينكم غير الحق، لا تتبعوا أهواء قوم قد ضلوا من قبل و أضلوا كثيراً و ضلوا عن سواء السبيل (مائدہ:۷۷)۔ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق غلومت کرو اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کرو جو خود بھی گمراہی میں پڑ چکے ہیں، اور بہت سوں کو گمراہ کر چکے ہیں، اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہو چکے تھے۔

نوٹ: مذکورہ بالا معنی کے ساتھ، جس پر اکثر مفسرین متفق ہیں، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن قیمؒ کا یہ قول بھی محض نقل فرما دیتے تھے کہ "مغضوب" سے مراد وہ لوگ ہیں جو جان بوجھ کر بھی گمراہ ہوں اور "ضالین" سے مراد وہ لوگ ہیں جو خواہ جہالت کی بنا پر یا عیش و سرمستی کی وجہ سے راہ حق سے بے خبر ہیں!

(۳) چنانچہ قرآن کریم کی یہ تنبیہ کس قدر واضح اور سخت ہے:

يأيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود و النصارىٰ أولياء بعضهم أولياء بعض، ومن يتولهم منكم فإنه منهم، إن الله لا يهدي القوم الظلمين۔ اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ، وہ (تو) ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست رکھے گا وہ بلاشبہ انہیں میں سے ہوگا، یقیناً اللہ اس قوم کو ہدایت نہیں کرتا جو اپنا نقصان آپ کرتی ہے!

نصاریٰ اور یہود کی تاریخ، اسلام دشمنی سے بھری پڑی ہے، البتہ دونوں کے عناد میں ایک خاص فرق ہے، نصاریٰ مسلمانوں کے کھلے حریف رہے ہیں اور آج بھی خواہ وہ کیسے ہی لامذہب اور کتنے ہی غیر متعصب بن گئے ہوں، مگر اسلام اور مسلمانوں سے بغض ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے، اور اس وقت بھی "میرے سانس" SARACENS کے لفظ سے ان کے دماغ میں غیض و غضب کی وہی آگ بھڑک اٹھتی ہے جو صلیبی جنگوں کے وقت سلگی تھی، چنانچہ آج پھر تاریخ اپنا یہی ورق الٹ رہی ہے..... مسلمان کی چشم عبرت اے کاش اب تو کھل جائے!۔

نصاریٰ کے برعکس یہودی ہمیشہ مار آستین بن کر جسم اسلام میں زہر رسانی کرتے رہے ہیں، چنانچہ پہلا منافق عبداللہ بن ابی یہودی ہی تھا، فرقۂ شیعہ کا بانی مختار شیعی بھی اسی گروہ کا ایک فرد تھا، "خارجیت" کا فتنہ بھی ایک یہودی حجاج ناصبی ہی نے کھڑا کیا تھا..... جنگ جمل اور جنگ صفین کا باعث منافقت یہودی ہی تھی، اور آج بھی مسلم دماغ کی دینی بے نوری سے فائدہ اٹھا کر یہی یہودی "اسلامک ریسرچ" کی آڑ لے کر اسلام پر شب خون مار رہے ہیں۔

افسوس کہ مسلمان قرآنی تنبیہ اور تاریخی شواہد سے آنکھ بند کر کے اب بھی یہود و نصاریٰ کی دوستی بلکہ انکی تقلید میں اپنی کامیابی ڈھونڈ رہے ہیں، حالاں کہ ان کی اسی دریوزہ گری کی بناء پر، جو سرمایۂ ایمانی کی ناقدری کا نتیجہ ہے، اقوام عالم میں ان کی کوئی قدر و قیمت اور انفرادیت باقی نہیں ہے، اور ان کی اس زبوں حالی کا علاج صرف ایک ہے اور وہ ہے "تقویتِ ایمان"،

یا أيها الذين آمنوا آمِنوا۔

(بقیہ درس حدیث)

اسی امید و بیم کو آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد میں ظاہر فرمایا ہے "ہر بچہ اپنے ساتھ فطرت سلیم لیکر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں" اس حدیث میں اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ فطرت ایک نازک ملکہ ہے، جس کے بنے بگڑنے کا انحصار ماحول اور سرپرستوں پر ہے، والدین کو چاہیئے کہ یہ نازک کلی مرجھانے نہ پائے اس لئے روز اول ہی سے اس کی اسلامی تربیت پر ساری توجہ صرف ہونی چاہیئے اگر والدین اس اندیشہ کا احساس کر لیں جو ماحول کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے تو انشاء اللہ انکے آغوش میں پیدا ہونے اور پرورش پانے والے بچے کبھی غلط راہ نہیں چل سکیں گے، پھر انکی زندگیاں دوسرے بچوں کو بھی سنواریں گی اسی لئے، آنحضرت ﷺ نے بچوں کی اسلامی تربیت کو سب سے زیادہ انمول تحفہ بتایا، جس کا موازنہ کسی بیش قیمت مادی تحفہ سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

نعت شریف

جناب اقبال سہیل

احمدِ مرسل ، فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اوّل ، مرسلِ خاتم ، صلی اللہ علیہ وسلم
جسم مزکّیٰ ، رُوح مصوّر ، قلبِ مجلّیٰ ، نور مقطّر
حسنِ سراپا ، خیرِ مجسّم ، صلی اللہ علیہ وسلم
کُفر کی ظلمت جس نے مٹائی، دین کی دولت جس نے لٹائی
لہرایا توحید کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم
باغِ جہاں کا حارس نامی ، جس نے مٹائی رسمِ غلامی
پھر سے سنوارا گلشنِ آدم ، صلی اللہ علیہ وسلم
بزمِ ملل تھی نظم سے خالی، بکھرے ہوئے تھے حق کے لآلی
اس نے کئے سب آکے منظّم ، صلی اللہ علیہ وسلم
وہم کی ہر زنجیر کو توڑا ، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کردی برہم ، صلی اللہ علیہ وسلم
فردو جماعت، امر و اطاعت، کسب و قناعت، عفو و شجاعت
حل کئے جو اسرار تھے مُبہم ، صلی اللہ علیہ وسلم
ربط و تصادم ، طوع و تحکّم ، فقر و تنعّم ، عدل و ترحّم
سب کے حُدود بتائے باہم ، صلی اللہ علیہ وسلم
حفظِ مراتب ، پاسِ اُخوت ، سعی و توکّل ، رفق و دعوت
"تلك حدود الله" میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم
ارض و سماء میں آئینۂ رحمت ، روز جزا میں سایۂ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم ، صلی اللہ علیہ وسلم
راہ میں کانٹے جس نے بچائے، گالی دی، پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم ، صلی اللہ علیہ وسلم
فقر و غنا دونوں کا سلطاں رُوح و جسد دونوں کا درماں
دین کا اور دنیا کا سنگم، صلی اللہ علیہ وسلم

درس حدیث

اولاد کے لئے باپ کا بہترین تحفہ:

ادب اور حسن اخلاق

مولانا محمد حنیف ملتی

"حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک باپ اپنے بچے کو جو سب سے بہترین تحفہ دے سکتا ہے وہ ادب اور حسن اخلاق ہے"۔ (ترمذی)

اولاد انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے بڑی عمر میں جوان ہونے کے بعد جن سے والدین بڑی امید رکھتے ہیں اولاد نہیں ہوتی تو اس عظیم نعمت کو حاصل کرنے کے لئے خدا سے دعا کی جاتی ہے اور جب اولاد پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی جسمانی تربیت میں کوئی کسر نہیں رکھی جاتی، اسے ہنرمند بنایا جاتا ہے تجارت میں آبائی پیشہ کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ اپنے پیر پر کھڑا ہو کر وہ والدین کے لیے راحت و آرام کا باعث بنے، اس کی عصری تعلیم کا انتظام بھی والدین اسی جذبہ سے کرتے ہیں تاکہ وہ برسر ملازمت ہو جائے۔ اسکی ظاہری صحت کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ غذا دی جاتی ہے اور اس کے استعمال کی چیزیں کپڑا وغیرہ بھی بیش قیمت ہوتا ہے، اس کی صحت کیلئے معالج ہوتا ہے اور یہ تمام تگ و دو صرف اس لیے ہوتی ہے کہ یہ لڑکا آگے چل کر والدین کے لیے نخل امید اور عصائے پیری بنے۔

لیکن ہمارے آقا محمد الرسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تربیت کے لئے یہ سب ضروری ہے بلکہ یہ دین بھی ہے، لیکن انہی چند مادی تقاضوں پر قناعت کر بیٹھنا اور اس کی اسلامی تربیت کے لئے کوئی جتن نہ کرنا بڑی زبردست غلطی اور بے بصیرتی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ لڑکے کے لیے والد کی طرف سے سب سے زیادہ بیش بہا اور قیمتی تحفہ یہ ہے کہ اس کی اسلامی تربیت کرے عصری علوم کے ساتھ اسے دینی تعلیم سے بھی آراستہ کرے۔ اس میں ادب، کمال کے ساتھ پیدا ہو جائے تاکہ وہ پوری انسانیت کے لئے اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے بزم کہکشاں بن جائے، اسی عظیم الشان تحفہ کا صلہ اسے خدا کی طرف سے جنت کی صورت میں ملنے والا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے، جس کی کوئی لڑکی ہو، وہ اسے زندہ درگور نہ کرے اس کی توہین بھی نہ کرے اور اس پر اپنے لڑکوں کو ترجیح نہ دے تو خدا اسے جنت میں داخل فرمادیں گے اس حدیث میں اگرچہ بچی کی تربیت کا ذکر ہے، لیکن دوسری روایات میں لڑکے کی تربیت پر بھی فضیلت بتائی گئی ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ جب کسی کے یہاں اولاد پیدا ہو تو اس کا اچھا سا نام رکھے، اور اس کی خوب تربیت کرے اور جب وہ بالغ ہو جائے اس کی شادی کرے بعض روایات میں تو آنحضرت ﷺ نے اولاد کی اسلامی تربیت کو نہ صرف یہ کہ ضروری قرار دیا ہے بلکہ کوتاہی پر تنبیہ کیساتھ مارنے کا حکم دیا ہے فرماتے ہیں "جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو اور ان کا بستر بھی علیحدہ کردو"۔

بعض روایات میں آپ ﷺ نے اولاد کو سب سے زیادہ حلال کمائی بتایا ہے آپ کی طرف سے اس کی قدر ہونی چاہیئے، قرآن کریم بھی اسکی اسلامی تربیت پر زور دے کر اعلان کر رہا ہے، **یٰایھا الذین آمنو قوا أنفسکم واھلیکم نارا** "اے مسلمانو اپنے بچوں کو اور خود کو جہنم کی آگ سے بچاؤ" ان تمام احادیث اور روایات کا منشاء یہ ہے کہ بچوں کا ایک شاندار مستقبل ہے جسکی تعمیر کی تمام تر ذمہ داری والدین پر ہے اگر بچوں کی اسلامی تربیت ہو جائے تو انکی ذات نہ صرف یہ کہ رشک خاندان ہوگی بلکہ قابل رشک معاشرہ کا باعث بھی بنے گی یہی جذبہ تھا جسکی بنا پر آنحضرت ﷺ اپنی مستقبل رسا رکھیں، نگاہ کی بنا پر بچوں سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اور مختلف موسموں کا پھل بچوں کو بلا کر عنایت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے جن بچوں کی تربیت فرمائی وہ ساری انسانیت کے لئے قابل فخر شخصیت بنے اور دنیا نے بھی ان کے ہر عمل اور قول کی اہمیت کو محسوس کیا اگر بچوں کیطرف سے چشم پوشی رہی تو ممکن ہے کہ وہ بگڑ کر پورے مسلم معاشرے کے لئے باعث عار بن جائیں، بچے قوم کے معمار اور ملت کے منظور نظر ہیں اس لئے ان کی طرف سے ذرا غفلت نہ کی جائے اس لئے کہ انہیں بچوں سے قصر زندگی تعمیر ہوتے ہیں یہی بچے ہمارے خواب کی تعبیر ہوتے ہیں، یہ بچے نرم و نازک طبیعت رکھتے ہیں انکے دماغ کا صفحہ سادہ ہوتا ہے ابتداء میں انہیں اگر اسلامی تقاضوں سے آشنا کر دیا گیا تو انشاء اللہ مستقبل انکا ہوگا اور آئندہ یہ بڑے نمایاں کام انجام دے سکیں گے اسی لئے کہا گیا ہے "بچے مردوں کی امید اور نئے دور کے جوان ہیں"

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

تذکیر

اخلاص اور صدق

حضرت امام غزالی

اخلاص کی اصل مسلمان کی نیت ہے، کیونکہ نیت ہی میں اخلاص ہوا کرتا ہے، اور اخلاص کا کمال صدق ہے، اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت میں کسی شئے کی آمیزش نہ ہو اس لئے ان تینوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے،

اخلاص کا پہلا رکن یعنی نیت اور اللہ کے واسطے عمل: رکن اول "نیت" حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے محمد! اپنے پاس سے ان کو علیحدہ نہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں درآنحالیکہ اسی کی ذات کو چاہتے ہیں۔" اس آیت سے معلوم ہوا کہ عمل سے حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہے۔

رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ "عمل کا مدار نیت پر ہے" کچھ لوگوں کے اعمال حق تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے اور حق تعالیٰ فرمائے گا کہ ان کو پھینک دو کیونکہ ان اعمال سے اس شخص کو میری ذات مقصود نہ تھی، اور کچھ بندوں کا نامۂ اعمال پیش ہوگا تو حکم ہوگا کہ فلاں فلاں عمل اور درج کردو، فرشتے عرض کریں گے کہ بارالٰہا وہ اعمال تو اس نے کئے نہیں تھے، حکم ہوگا کہ ان اعمال کی اس نے نیت تو کی تھی اور اس کا ہم کو علم ہے۔" حدیث میں آیا ہے کہ "آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جسے حق تعالیٰ نے مال بھی دیا اور علم بھی دیا اور بہ مقتضائے علم اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ جو اس شخص کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی مال اور علم مرحمت فرمائے تو میں بھی اسی طرح خیرات کروں۔ یہ دونوں شخص اجر میں مساوی ہیں۔ تیسرا وہ شخص ہے جس کو صرف مال عطا ہوا اور علم عطا نہیں ہوا۔ اور یہ شخص جہالت کے سبب گڑبڑ مچاتا اور فضول و بیجا مال اڑا رہا ہے اور چوتھا شخص وہ ہے جو اس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر مجھ کو مال مل جائے تو میں بھی اسی طرح مزے اڑاؤں اور عیش کروں۔ پس یہ دونوں شخص گناہ میں مساوی اور برابر ہیں"

نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا قصہ ہے کہ قحط سالی میں ریت کے ٹیلے پر اس کا گزر ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ "اگر یہ ریت کا ٹیلہ اناج بن جائے تو میں اس کو لوگوں میں تقسیم کردونگا" اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی پر وحی بھیجی کہ "اس شخص سے کہہ دو کہ خدا نے تمہاری خیرات قبول کی اور نیک نیتی کی قدر فرمائی اور اسی قدر ثواب عطا کیا جتنا کہ اس ٹیلہ کی مقدار اناج کے مساکین پر خیرات کردینے سے ملتا۔" خوب سمجھ لو کہ نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے۔ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ "جو شخص عورت سے کسی مقدار مہر پر نکاح کرے اور اس کے ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہ نکاح نہیں بلکہ زنا ہے۔ اور جو شخص کسی سے قرض لیکر اس کے دینے کا قصد نہ رکھتا ہو تو یہ قرض نہیں بلکہ سرقہ اور چوری ہے"۔

نیت کی ماہیت اور حقیقت

نیت کے معنی ارادہ اور قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے اول علم کی ضرورت ہوتی ہے اور علم کے بعد اسکے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے اس کے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اس کام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے، گویا قدرت قصد و ارادہ کی خادمہ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ تمہارے اندر کھانے کی خواہش رکھی ہوئی ہے مگر وہ ایسی دبی ہوئی ہے کہ جیسے کوئی سویا ہوتا ہے اور جس وقت تمہاری نظر کھانے پر پڑی اور طعام کا علم ہوا اسی وقت وہ جاگ اٹھی اور اس کے کھانے کا قصد ہوا اس کے بعد اس کی طرف ہاتھ بڑھے گا اور وہ قوت اپنا کام کرے گی جو خواہش طعام کے اشارے کی مطیع بنائی گئی ہے۔ غرض آنکھ کے مشاہدے سے معرفت کا علم حاصل ہوگا اور معرفت کی وجہ سے خواہش بیدار ہوگی اور قصد پیدا ہوگا اور یہ قصد خداداد قوت کے ذریعہ سے ہاتھ کو حرکت دے گا، اور کھانا کھلائے گا۔

اسی طرح تمہارے اندر ان لذتوں کی بھی خواہش رکھی ہوئی ہے جو تم کو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جن کا علم عقل و شرع کے ذریعہ سے ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش و میلان کی خادم ہے لہٰذا وہ اعضاء کو حرکت دے گی اور خواہش کو پورا کرائے گی۔ پس وہی عزم و پختہ میلان جس نے قوت کو ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا نیت کہلاتا ہے، مثلاً جہاد جانے والا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو اس کو گھر سے باہر نکالنے والا باعث و محرک کیا چیز ہے؟ یعنی اگر ثواب آخرت ہے تو بس یہی اس کی نیت ہے اور اگر اس کا باعث مال غنیمت یا شہرت و نیک نامی کا حاصل کرنا ہے تو اسی کو اس کی نیت کہا جائیگا۔

فصل

نیت کے متعدد ہونے سے ایک عمل پر متعدد اعمال کا ثواب ملتا ہے: جب نیت کی فضیلت اور

ضرورت اور تاثیر تم کو معلوم ہوگئی تو اب ایک ایک عمل میں کئی کئی ثواب حق تعالیٰ سے لینے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک عمل میں کئی کئی نیتیں ہوں۔ مثال کے لئے ایک صورت بیان کئے دیتے ہیں۔ مثلاً مسجد میں جانا اور بیٹھنا ایک عبادت ہے مگر اس میں سات کاموں کی نیت ہوسکتی ہے۔

اول: یہ سمجھنا کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور یہاں آنے والا گویا خدا کی زیارت کو آتا ہے پس مسجد میں آتے وقت تم یہی نیت کرو۔ کیونکہ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ "جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ کی زیارت کو آیا ہے" اور چونکہ آنے والے شخص کی عزت ہوا کرتی ہے لہٰذا حق تعالیٰ اپنے زائر کا جتنا اکرام فرمائیگا اس کو تم خود سمجھ سکتے ہو کہ کیا کچھ ہوگا۔ دوم: مرابطہ یعنی نماز کے انتظار کی نیت کرو کہ حق خداوندی کی محافظت کیلئے اپنے آپ کو محبوس بنائے ہوئے اور گویا وقف کئے ہوئے ہو پس خدا تعالیٰ کے حکم و رابطوا کی تعمیل ہوگی اور اس کا اجر جداگانہ ملے گا۔ سوم: اعتکاف کی نیت کرو اور اعتکاف کے معنی یہ ہیں کہ آنکھ، کان زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ تمام اعضاء کو ان کی معمولی حرکتوں سے روک لیا جائے اور یہ بھی ایک قسم کا روزہ ہے چنانچہ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ "میری امت کی رہبانیت یہی ہے کہ وہ مساجد میں آبیٹھیں" چہارم: خلوت کی نیت کرو کہ مشاغل مرتفع ہونے سے فکر آخرت کی استعداد پیدا اور ذکر الٰہی کے سننے اور سنانے کے لئے تجرد و عزلت حاصل ہو۔ دیکھو رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ "جو شخص مسجد کی جانب اس لئے روانہ ہوا کہ اللہ کا ذکر کرے یا سنے تو وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ پنجم: اس کی نیت کرو کہ جو لوگ بے نمازی ہیں ان کو تنبہ ہوگا اور نماز کو بھولے ہوئے لوگ بھی تمہاری دیکھا دیکھی نماز کو اٹھ کھڑے ہوں گے، پس تمہارا نماز کو جانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن جائیگا کہ کار خیر کی ترغیب دی اور معصیت سے روکا اور اس وجہ سے ان کے ثواب میں تم بھی شریک ہوئے۔ ششم: مسجد میں جانے سے دوسرے مسلمانوں سے کچھ نہ کچھ اخروی فائدہ حاصل ہوگا جو تمہارے لئے دار آخرت کا ذخیرہ بنے گا۔ ہفتم: خدا کے گھر میں بیٹھو گے تو کچھ حیا و شرم آئے گی اور گناہ کی جرأت کم ہوجائیگی کہ حاکم کی یاداشت اس کی مخالفت سے روکا کرتی ہے لہٰذا اسکی بھی نیت کرو۔

غرض اسی طرح ہر عمل میں کئی کئی نیتیں ہوسکتی ہیں جن کی بدولت گنتی کے چند عمل تمہارے حق میں ہزاروں نیکیاں بنیں گے۔ اور حضرات مقربین کے اعمال کے ساتھ شامل ہوجاؤ گے۔

ایک معصیت بھی متعدد نیتوں سے کئی معصیتیں بن جاتی ہیں: اسی طرح یہ بھی یاد رکھو کہ عمل میں معصیت کی نیت کرنے سے ایک گناہ کئی کئی گناہ بن کر شیطان کے اعمال کے مساوی ہوجاتا ہے۔ مثلاً مسجد میں آکر بیٹھنے سے فضول باتیں بنانی مقصود ہیں یا مسلمانوں کی ہتک و آبرو ریزی اور ہنسی و مذاق اڑانے کی نیت ہو یا ان عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا نظارہ مقصود ہو جو نماز کے لئے مسجد آتے ہیں یا تفاخر یا مناظرہ یا زبان درازی سے اپنے حریف کو ساکت کرکے حاضرین مسجد کے دلوں میں اپنی وقعت پیدا کرنی مقصود ہو یا اور کسی برے کام کی نیت ہو تو یہی ایک فعل کئی گناہوں کا مجموعہ ہوجائیگا۔

لہٰذا مناسب ہے کہ مباح کام کے اندر بھی اچھی نیت کر لینے سے غفلت نہ کی جائے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بندہ سے اس کے ہر کام کی باز پرس ہوگی۔ حتی کہ آنکھ میں سرمہ لگانے اور کسی کپڑے کو چھونے اور انگلیوں سے مٹی کریدنے تک کا سوال ہوگا؟

اور مباح کام میں نیت کرنے کی یہ صورت ہے کہ مثلاً جمعہ کے دن اگر خوشبو لگائی تو یا تو یہ نیت ہوگی کہ اپنی ثروت و تونگری ظاہر ہو، یا یہ مقصد ہوگا کہ خوشبو سے نفس کو لذت حاصل ہوگی، یا یہ ارادہ ہوگا کہ اس طرح بن سنور کر جاؤنگا تو عورتیں میری گرویدہ ہونگی اور یہ سب نیتیں لغو و معصیت ہیں۔

اسی طرح ممکن ہے کہ یہ نیت ہو کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانا سنت کا اتباع یعنی جناب رسول ﷺ کا اقتدا ہے اور حق تعالیٰ کے گھر کی تعظیم ہے اور جمعہ کے دن کا احترام ہے اور مسلمانوں کو بدبو کی ایذا سے بچانا اور بوئے خوش سے انکو راحت پہنچانا اور غیبت کے دروازہ کا بند کرنا ہے کہ لوگ بدبو سونگھیں گے تو دوسروں سے غیبت کرتے پھرینگے کہ فلاں شخص کے کپڑوں سے بڑی بدبو آتی تھی۔

انہیں دونوں فریق کی جانب حدیث میں ارشاد ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اللہ کے واسطے خوشبو لگائی وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئیگا کہ مشک سے زیادہ خوشبو اس سے مہکے گی، اور جو اللہ کے سوا کسی دوسری غرض سے خوشبو لگائے گا وہ ایسی حالت میں اٹھے گا کہ مردار سے زیادہ بدبو پھوٹے گی"۔

نیت کا رکن دوم اخلاص ہے: رکن دوم اخلاص نیت: حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "لوگوں کو اسی کا حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں مخلص بن کر اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت سنواری اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھاما، اور اپنے دین میں اللہ کے واسطے اخلاص کیا۔"

(جاری)

فکر و نظر

امت مسلمہ کی حیثیت اور وزن

"قدر و قیمت" ہے نہ کہ "قد و قامت"

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

حضرات! دنیا میں وزن و اعتبار کے دو پیمانے ہیں، ایک قامت، دوسرے قیمت، لیکن اللہ تعالیٰ نے قامت پر قیمت کو ترجیح عطا فرمائی ہے، میں جب بھی سورۂ انفال کی یہ آیت "وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ" (اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں، اگر یہ نہ کروگے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا) پڑھتا ہوں تو دریائے حیرت میں غرق ہوجاتا ہوں کہ یہ بات آخر کس سے کہی جارہی ہے؟ اس مٹھی بھر انسانی گروہ سے، اس چھوٹی سی جماعت سے جس کی تشکیل کچھ انصار سے جو اپنے وطن میں تھے، اور کچھ مہاجرین سے جو مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے آئے ہوئے تھے، ہوئی تھی، اور جن کی بڑی سے بڑی تعداد شمار کرنے کے بعد ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) سے زیادہ نہیں نکلی۔

خدا تعالیٰ ان کو اخوت و بھائی چارہ کی دعوت دے رہا ہے، مہاجرین کا انصار سے اور انصار کا مہاجرین سے ربط پیدا فرمارہا ہے، اور سچی اخوت کی روح ان میں بیدار فرما کر یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ ایک نئی اکائی بن جائیں، ایک ایسی اکائی جس کی بنیاد ایمان و یقین کلمہ لا الہ الا اللہ کے اتحاد، انسانیت کے لئے ہمدردی و دل سوزی، اصول و عقائد کی پختگی پر قائم ہو۔

خدا تعالیٰ اس مختصر جماعت سے ارشاد فرماتا ہے، کہ اگر تم نے اس کام میں کوتاہی کی، اس اخوت کے قیام میں تساہلی سے کام لیا، اور اس نئی اکائی کی تشکیل میں جس سے دنیا ناواقف ہے، اور تاریخ نے جس کو سیکڑوں سال سے بھلا دیا ہے، غفلت دکھائی اگر تم نے اس اخوت میں کمزوری کا مظاہرہ کیا جو ایک عظیم و بلند پیغام سے مربوط ہے، اور اس اتحاد کو ناپائیدار بنایا جو سچی اور مخلصانہ اخوت پر قائم ہے، اگر تم نے ایسا کیا تو روئے زمین پر فتنہ بپا ہوجائے گا، اور زبردست فساد مچے گا۔

ذرا سوچئے کہ اس مختصر سی تعداد کو جو یثرب میں رہتی تھی (جس کو بعد میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یاد کیا گیا) کیا حقیقت تھی؟ اس کی افرادی قوت کتنی تھی؟ سیاسی میزان میں اس کا کیا وزن تھا؟ بین الاقوامی اسٹیج پر اس کی کیا حیثیت تھی؟ سماجی، اقتصادی، حتی کہ علمی دنیا میں وہ کتنا وزن رکھتی تھی، تین مرتبہ ان کی مردم شماری کی گئی (جیسا کہ بخاری شریف میں اس کا تذکرہ آتا ہے) آخری بار مردم شماری میں ان کی تعداد ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) نکلی (۱)

(۱) صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۴۳ باب کتابۃ الامام الناس کتاب الجہاد، بعض صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الانفال غزوۂ بدر کے زمانہ میں نازل ہوئی، اس وقت مسلمانوں کی تعداد اس سے بھی کم رہی ہوگی جو اس آخری مسلم شماری کے نتیجہ میں نکلی۔

ذرا غور فرمایئے کہ یہ بات کس سے کہی جارہی ہے، کیا ان رومیوں سے کہی جارہی ہے، جو آدھی دنیا کے مالک تھے، اور سب سے بڑی حکومت اور اس کے سایہ میں پروان چڑھنے والی تہذیب اور تمدن، اور سب سے بڑی جنگی، بین الاقوامی اور سیاسی وقت کے مالک تھے؟

کیا یہ ان ایرانیوں سے کہا جارہا ہے، جنہوں نے رومن امپائر کے ساتھ آباد دنیا کو مشترک طور پر تقسیم کرکے اس پر قبضہ جمار کھا تھا؟

یقیناً یہ رومی اور ایرانی ظاہری طور پر اس وقت انسانیت کی قسمت کے مالک بنے بیٹھے تھے، زندگی کی کشتی وہی چلا رہے تھے، تہذیب و تمدن کی باگ دوڑ انھیں کے ہاتھ میں تھی، قوموں، وسائل، ذرائع اور اسباب معیشت اور دنیا کے حالات پر (اگر یہ کہنا غلط نہ ہو) انہیں مکمل تصرف حاصل تھا۔

کیا ان سے کہا جارہا ہے "اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ" (اگر یہ نہ کروگے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا)

حضرات! ذرا اندازہ لگایئے اس لفظ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ کی ہیبت کا، اس کے حجم کا، اس کے وزن اور وسعت کا، آیت میں صرف فساد نہیں کہا گیا، بلکہ "فساد کبیر" کہا گیا۔

یہ بات اس چھوٹی سی محدود جماعت سے کہی جارہی ہے جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی، اور جن کے کاندھوں پر اسلام کے پیغام کا بوجھ رکھا گیا، اس چھوٹی سی افرادی قوت سے کہا جارہا ہے، کہ اگر تم نے اسلامی و ایمانی اور انسانی اور عادلانہ اخوت قائم کرنے میں کوتاہی دکھائی، اور اگر تم نے آپس میں اتحاد کے قیام میں غفلت کا مظاہرہ کیا، اور اس اتحاد کو، ایمان، اخلاص، ایثار و قربانی اور فنائیت پر قائم

نہیں کیا، تو زمین میں فتنہ چھا ہو جائے گا، اور زبردست فساد پھیل جائے گا۔

امت مسلمہ کا اس وقت کیا وزن تھا، وہ صرف سیکڑوں کی تعداد میں تھی، ہزار دو ہزار کی تعداد میں تھی، اس وقت ان سے یہ کہا جارہا ہے، ان کو یہ وزن دیا جارہا ہے، اور یہ قیمت اور دنیا کے نقشہ میں یہ حیثیت عطا کی جارہی ہے۔

اس اعلان سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ امت مسلمہ کی حیثیت اور وزن "قدر و قیمت" ہے نہ کہ "قد و قامت" اس کی حیثیت اور اس کا مقام اپنے پیغام، ایمان، عقائد، مکارم اخلاق، بیدار ضمیر اور جسم میں سرایت کئے ہوئے شعور و وجدان اور عقل و تدبر پر اثر ڈالنے والی، اس بیتاب و بے چین روح سے ہے جو اس کو عطا کی گئی۔

امت اسلامیہ کی قیمت و اہمیت ان خصوصیات و صفات کی بنیاد پر ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نوازا ہے، اس کے ہاں تعداد اور ساز و سامان کی کثرت کا اعتبار نہیں، اور نہ اس کی مکانی مسافت کے طول و عرض کا جس پر اس کی حکومت کا سکہ چلتا ہے، اور نہ اس زمانی مسافت کے طول و امتداد کا جس پر اس نے اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔

میں مسلمانوں کی اس جماعت کو خواہ وہ کتنی ہی کم تعداد میں ہو، اس پیمانہ سے ناپتا ہوں، میں اس کو اسلام کی اس خوردبین سے دیکھتا ہوں، جو خدا کی عطا کردہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۶ر جنوری ۱۹۸۵ء کو جدہ میں دیئے گئے
ایک استقبالیہ میں کی گئی ایک تقریر
ماخوذ از: کاروان زندگی --- حصہ سوم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17234/86)

کے زیر اہتمام

جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد
اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی و عصری تعلیم کے اہم مراکز

☆برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا

☆برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، سٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، (انڈیا)

☆اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔
☆غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

منجانب:- حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ۔ (بانی و ناظم اعلیٰ)

فون: 0091-755-2543466,2642715

قنوج کے قدیم مشہور و معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ و اعلیٰ
شاملۃ العنبر ☆عطر گلاب ☆روح خس ☆عطر موتیا ☆عطر گل ☆عطر کیوڑہ
☆اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں

محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر

ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر، قنوج یوپی آئیڈیل پرفیوم سنٹر
(پرائیویٹ لمیٹیڈ) قنوج فون: 234445

رپورٹ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء، لکھنؤ

پیش کردہ جلسہ مجلس انتظامیہ

منعقدہ ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۴ر فروری ۲۰۰۵ء

بمقام دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

الحمد للہ رب العالمین، و الصلاۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین محمد، و علیٰ آلہ و صحبہ أجمعین، و بعد:

محترم حضرات!

آپ مجلس انتظامیہ میں تشریف لائے ہیں، آپ کی تشریف آوری ہم خادمانِ ندوۃ العلماء کے لئے ہمت افزائی اور تقویت کا باعث ہے، ہم ندوۃ العلماء کے معاملات کی انجام دہی اور کارکردگی کو بہتر بنانے اور ترقی کی مزید صورتوں پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ہمارا یہ سال جو محرم الحرام سے ذی الحجہ تک رہا الحمد للہ مناسب کارکردگی کے ساتھ گزرا، امتحانات کے نتائج اچھے رہے، نئے سال تعلیمی میں طلباء کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا۔ اور بعض نئے شعبے کھلے، اور پہلے سے جاری شعبوں نے بھی اچھے ڈھنگ سے کام انجام دیا۔ تعمیر کے ضروری کام بھی متعدد انجام پائے، ان سے طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کو سہولت ملی، اور یہ احاطۂ دار العلوم اور احاطۂ معہد سکروری دونوں میں انجام پائے۔ وہاں محاضرات کے لئے جو ہال تعمیر کیا جارہا تھا وہ الحمد للہ تکمیل کو پہونچا۔ اس ہال کی تعمیر مدراس کی مشہور علم دوست شخصیت جناب ٹی عبد الواحد صاحب مرحوم کے فرزندار جمند ٹی محمد رفیق صاحب کے فیاضانہ تعاون سے انجام پائی۔ پانی کی ٹنکی تعمیر ہوئی اور بجلی کی ضرورت کا سامان بھی فراہم کیا گیا۔

اور یہاں احاطۂ دار العلوم ندوۃ العلماء کے اندر اہم تعمیری کام رواق سلیمانی کے دو بازوؤں کے اضافہ کا ہوا، اس طرح اس کے چاروں بازو مکمل کردیئے گئے، الحمد للہ یہ کام چند مہینوں میں انجام پاگیا جو انشاء اللہ طلباء کی رہائش کے لئے معاون ثابت ہوگا، اس کے لئے ندوۃ العلماء کے محبین نے پورا تعاون کیا، جن کے ناموں کی تختیاں کمروں پر لگادی گئی ہیں۔ احاطہ کے جنوب مشرقی حصہ میں واقع دار القضاء کی عمارت کی دوسری منزل مکمل ہوئی اور اس سے درجات کی تنگی کا کچھ ازالہ ہوا۔ اور اس کے قریب پانی کی ایک ٹنکی کی بھی تعمیر کی گئی جو سابقہ ٹنکی کے ناکافی ہونے کی وجہ سے ایک ضرورت بن گئی تھی۔

ندوۃ العلماء کے مختلف شعبوں نے بھی اپنا اپنا کام مناسب ڈھنگ سے انجام دیا، ان میں دعوت و ارشاد کے شعبہ کے تحت ردّ قادیانیت کے سلسلہ میں لکھنؤ کے اطراف اور قرب و جوار کی بستیوں میں شعبہ کے ذمہ دار اور اساتذہ نے جاجا کر اصلاحی کامیاب کوششیں کیں، جو الحمد للہ مفید ڈھنگ سے انجام پائیں۔ اس نے اس سال ایک مزید کام یہ انجام دیا کہ کام کی تربیت کے لئے ایک تین روزہ ورکشاپ منعقد کیا جس میں عیسائیت و قادیانیت اور فرق ضالہ سے آگاہ کرایا گیا، اور اصلاح کے کام کے لئے رہنمائی کی گئی۔ اس پروگرام میں ندوۃ العلماء کے بڑے اساتذہ اور شہر کے ایسے بڑے علماء جو اس سلسلہ میں اختصاص رکھتے ہیں ان کی تقریریں کرائی گئیں۔ پروگرام میں ندوۃ العلماء کے ملحقہ مدارس کے اساتذہ اور دیگر تعلق رکھنے والے مکاتب کے لوگ شریک ہوئے۔ مکاتب شہر کے شعبہ نے مکاتب شہر کے اساتذہ کے لئے بھی ایک یکروزہ ورکشاپ منعقد کیا جس میں ان کی معلومات اور طریقۂ کار کے سلسلہ میں ہدایات دی گئیں۔

ندوۃ العلماء کے انٹرنیٹ اور میڈیا کے شعبے بھی اپنی اپنی جگہ پر کام کرتے رہے اور اپنی اپنی حد تک جو کام سامنے آیا وہ انجام دیتے رہے۔ انگریزی میں نکلنے والا سہ ماہی رسالہ "The Fragrance" پابندی سے نکلتا رہا۔ اسی طرح ہندی کا پرچہ "سچار ای" بھی اچھے معیار کے ساتھ نکلتا رہا اور قارئین کی طرف سے اس کی قدردانی کی اطلاعات بھی ملتی رہیں۔ صحافت کے تعلیمی شعبہ کا افتتاح گزشتہ سال ہوا تھا جس سے فضیلت سے فارغ طلبہ کی ایک تعداد نے فائدہ اٹھایا، اس شعبہ کو سال رواں مزید فعال اور بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ خبر رسانی کے ذریعہ کے طور پر گلوبل نیچرس کے نام سے سال گزشتہ ایک سلسلہ کا آغاز کیا گیا تھا، اس نے بھی کام انجام دیا، لیکن ندوۃ العلماء کی محدود اقتصادی حالت کی وجہ سے مذکورہ مختلف اہم کاموں کے لئے جدید و قدیم کی صلاحیتیں رکھنے والوں کی جو ضرورت ہے وہ زیادہ بہتر طریقہ سے پوری نہیں ہو رہی ہے، اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ دار العلوم کے عربی پرچے "البعث الإسلامي" اور "التراث" اور اردو پرچہ "تعمیر حیات" صرف نکلتے ہی نہیں رہے بلکہ اپنے قارئین سے داد تحسین بھی حاصل کرتے رہے۔ دار العلوم اور شعبۂ تعمیر و ترقی سے باقاعدہ منسلک نہ رہتے ہوئے بھی ندوۃ العلماء کے تعلق کے دو دارے

بھی ہیں جو پالیسی اور مقصد کے لحاظ سے ندوۃ العلماء سے ہم آہنگ ہیں، اور اسی کے احاطہ میں کام انجام دیتے ہیں، ایک مجلس تحقیقات ونشریات اسلام جس کے صدر ندوۃ العلماء کے ناظم ہی رہتے رہے ہیں، اس نے فکر اسلامی اور دعوتی مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحقیقی کام کرائے اور شائع کئے، جس سے ندوۃ العلماء سے باہر کی دنیا کو جو فائدہ پہونچا وہ تو پہونچا ہی اسی کے ساتھ ساتھ ندوۃ العلماء کے طلبہ علمی وتحقیقی کام کرنے والے فضلاء کو بھی فائدہ پہونچتا رہا، اس کا کام بھی سال گزشتہ مفید طریقہ سے انجام پایا۔ اس وقت اس کی شائع کردہ کتابوں کی تعداد (۳۱۱) ہے۔ ان کا ایک بڑا حصہ ناظم ندوۃ العلماء سابق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی و فکری تصنیفات کا ہے، پھر دیگر متعدد علمی ودینی محقق و داعی شخصیتوں کی علمی ودینی تصنیفات کا ہے۔

دوسرا تعلق رکھنے والا شعبہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کی ہندوستانی شاخ ہے، اس کے صدر بھی ناظم ندوۃ العلماء ہی ہیں، چنانچہ یہ بھی ندوۃ العلماء کے مقاصد کی راہ میں مفید اور معاون ہے، یہ سالانہ کسی اسلامی ادبی موضوع پر ایشیائی براعظم کی سطح پر سیمینار منعقد کراتا ہے جس میں ندوۃ العلماء کے فضلاء بھی شرکت کرتے ہیں، اور فائدہ اٹھاتے ہیں، اس میں مختلف یونیورسٹیوں کے پروفیسرز اور مختلف درسگاہوں کے اساتذہ شرکت کرتے ہیں، ابھی اس کا ۲۲ واں سیمینار کلکتہ میں منعقد کیا گیا۔ اس کے سیمیناروں کی صدارت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی وفات سے قبل تک کرتے رہے، ان کی یہ مسلسل صدارت اس کے سیمیناروں کی وقعت بڑھانے میں معاون ہوئی اور الحمد للہ ان کا جلایا ہوا چراغ ان کے بعد بھی برابر ضوفشانی کررہا ہے۔ اس ادارہ کی طرف سے ''کاروانِ ادب'' کے نام سے سہ ماہی تحقیقی مجلہ بھی نکلتا ہے جو اسلامی ادب کے اصناف پر مشتمل ہوتا ہے، اس شعبہ نے ادب اسلامی کے متعدد موضوعات پر کتابیں بھی شائع کی ہیں، اور ان کا سلسلہ قائم ہے۔ یہ مذکورہ بالا دونوں ادارے خود کفیل ہیں، ندوۃ العلماء پر ان کا مالی بار نہیں پڑتا۔

حضرات! موجودہ عہد میں انگریزی اور ہندی کی جو اہمیت ہے دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے، اور یہاں ان کی تعلیم وتربیت کے لئے عام نصاب کے علاوہ کچھ خصوصی انتظام بھی کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے فائدہ اٹھانے کی جو اہمیت ہے اس کو بھی ندوہ نے اپنی توجہ میں شامل رکھا ہے، چنانچہ انٹرنیٹ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اس میں اسلامی موضوعات نیز ندوۃ العلماء کے متعلق معلومات داخل کی گئی ہیں اور ای میل کا بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ کمپیوٹر کی ٹریننگ کا اہتمام بھی طلبہ کے لئے کیا گیا ہے جس سے فارغ اوقات میں طلبہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

حضرات! یہ مذکورہ کام ندوۃ العلماء کے مختلف شعبوں کے تحت اور متعاون شعبوں کی طرف سے انجام دیئے جاتے ہیں، ندوۃ العلماء کا اصل اور بڑا شعبہ شعبۂ تعلیم بھی الحمد للہ مناسب کارکردگی کے ساتھ جاری ہے۔ طلباء کے تربیتی نظام کو بہتر بنانے کے لئے سال رواں اساتذہ کی کئی کمیٹیاں بنائی گئی ہیں جو طلباء کی تعلیمی مشغولیت کی فکر کریں، ان کی دینی رہنمائی ونگرانی کے لئے، ان کے علمی، تعلیمی، اخلاقی واقامتی معاملات کی فکر کے لئے علیحدہ علیحدہ کمیٹیاں مقرر کی گئی ہیں جو ان کے اساتذہ پر مشتمل ہیں تاکہ طلباء کا تربیتی نظام مزید بہتر ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ خود طلباء کے زیر عمل طلبہ کی انجمنیں پہلے ہی سے قائم ہیں جن میں اجتماعی کاموں اور مفید علمی مذاکروں اور مشاورت کا نظم ہے، جن کو خود طلبہ چلاتے ہیں، ان میں سے ایک جمعیۃ الاصلاح کے نام سے ہر بڑے دارالاقامہ میں مستقل طور پر قائم ہے، ان کو ان دارالاقاموں میں مقیم طلباء اپنے نگراں استاد کی سرپرستی میں چلاتے ہیں، ان کی اپنی اپنی لائبریری بھی ہے، ان کے علاوہ علمی وتحقیقی کام کے لئے ہر بڑے دارالاقامہ میں علمی وتحقیقی لائبریریاں قائم کی گئی ہیں تاکہ ندوۃ العلماء کی بڑی لائبریری مکتبۂ شبلی سے ہر وقت استفادہ نہ کرسکنے کی صورت میں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے، یہ انتظام علمی استفادہ میں سہولت پیدا کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ طلبہ کی انجمن الاصلاح کے متوازی دوسری انجمن عربی زبان وادب میں صلاحیت بڑھانے کے لئے النادي العربي کا بھی قیام ہے، یہ انجمن بھی طلبہ کے زیر انتظام ہے، اور عربی کی عملی مشق کا اہتمام کرتی ہے۔

ندوۃ العلماء کے احاطہ کے باہر شہر کے اندر تین ملحقہ مدارس ہیں جہاں عالیہ کے درجات تک تعلیم ہوتی ہے، ان کے علاوہ ۱۸ مکاتب ہیں، جن میں ابتدائی درجات کی تعلیم ہوتی ہے، مکاتب کا تو خرچ ندوۃ العلماء برداشت کرتا ہے، لیکن ملحقہ مدارس کے ساتھ تعلق درمیانی سطح کا ہے، ان کے طلبہ ان کے آخری درجات سے نکل کر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آتے ہیں۔ یہ صورت حال شہر کے اندر کی ہے۔ ان کے علاوہ پورے ملک میں تقریباً دوسو (۲۰۰) مدارس ہیں جن کا الحاق ندوۃ العلماء سے ہے، اور وہ ہندوستان کے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے ہیں، مزید یہ کہ متعدد ملحقہ مدارس ہندوستان سے متصل ممالک میں بھی ندوۃ العلماء ہی کے نصاب اور نظام کے مطابق اپنے اپنے ملک کے

قانون کے تحت کام کرتے ہیں، یہ زیادہ تر وہاں سے ندوہ آکر تعلیم حاصل کرنے والے فضلاء ہی کے قائم کئے ہوئے ہیں۔

حضرات! خوشی کی اور ہمت افزائی کی بات ہے کہ ندوۃ العلماء کے کام اور مقصد عمل کو وسیع دائرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے، اور اس کے نصاب اور تعلیمی نہج کو الحمد للہ عام طور پر پسند کیا جارہا ہے، اور مختلف علاقوں کے مدارس اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جس کی ایک مثال گذشتہ سطروں میں پیش کی گئی۔ الحمد للہ بیرونی ملکوں سے آکر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء نے عموماً اپنے ملکوں میں ندوۃ العلماء کے نصاب کو متعارف کرانے میں حصہ لیا ہے، اور خود ہندوستان کے طلباء میں سے ایک خاصی تعداد بیرونی ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے، اور اپنی مادر علمی سے محبت وربط رکھتی ہے، اور ضرورت پڑنے پر تعاون بھی کرتی ہے، جیسا کہ گذشتہ سال کی رپورٹ میں تذکرہ آیا تھا کہ مولانا ڈاکٹر علی احمد ندوی نے اپنے انعام کی رقم سے ایک لاکھ روپئے ندوہ کے کتب خانہ کو دیئے جن سے کتب خانہ کے لئے کتابیں خریدی جارہی ہیں۔ ان کے علاوہ قطر ودبی میں مقیم طلباء نے کئی بار مالی تعاون بھیجا، اور ابھی گذشتہ دنوں میں کتب خانہ کے لئے قیمتی کتب کا تحفہ ارسال کیا، بلکہ ندوۃ العلماء کے استاد مولانا نذر الحفیظ صاحب خود کتابوں کے حصول کے لئے گئے تھے، اور نہ صرف یہ کہ یہ قیمتی تحفہ لیکر آئے بلکہ ان کے مصارف سفر بھی ان طلباء نے برداشت کئے۔ رواق سلیمانی میں اضافہ کے مصارف میں بھی ندوۃ العلماء کے فارغین نے جو باہری ملکوں میں ہیں حصہ لیا، اللہ تعالیٰ ان سب کی سعادت مندی کو قبول فرمائے۔

حضرات! ندوۃ العلماء کے احاطے میں تقریباً ہر عمارت میں ایک ہال بھی ہے لیکن یہ سب قدرے چھوٹے ہیں۔ ضرورت ہے ایک بڑے ہال کی جس کے لئے کوشش کی جارہی ہے، چونکہ بڑا ہال بڑے مصارف سے ہی بنتا ہے اس لئے اس ضرورت کی تکمیل میں تاخیر ہورہی ہے، لیکن کوشش جاری ہے، انشاء اللہ اس ضرورت کی تکمیل کی سہولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد ہی ملے گی۔

رواق شبلی جو دارالعلوم کا سب سے قدیم دارالاقامہ ہے اس کی عام مرمت اور توسیع کی شدید ضرورت ہے۔ اسی طرح طلباء واسٹاف کے لئے جدید سہولتوں سے آراستہ اسپتال تعمیر کرنے کی تجویز ہے جس کے لئے ایک صاحب خیر نے کچھ رقم بھی دی ہے، انشاء اللہ جلد یہ کام شروع کرائے جائیں گے۔

معہد دارالعلوم (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرز کی تعمیر، اسی طرح بلوچ پورہ میں دارالعلوم کے تدریسی وغیر تدریسی اسٹاف کے لئے مکانات کی تعمیر ضروری ہے تاکہ دارالعلوم کے احاطہ کا ماحول صرف تعلیمی و تدریسی ہو، اور رہائشی مکانات کی وجہ سے جو مسائل پیش آتے ہیں ان سے نجات حاصل ہو۔

اسی طرح دفتر اہتمام کے لئے جو مرکزی عمارت کے بعض کمروں میں واقع ہے اور کاموں کے تنوع کی وجہ سے کافی نہیں ہوتا، اور جگہ بھی صحیح نہیں ہے، اس کو دارالعلوم کی کسی مناسب عمارت میں منتقل کئے جانے یا احاطہ کے اندر کسی مناسب خالی جگہ پر عمارت تعمیر کئے جانے کی ضرورت ہے، امید ہے کہ دیر سویر اس کا بھی نظم ہوسکے گا۔

حضرات! ندوۃ العلماء کے مختلف شعبوں اور دارالعلوم میں کی جانے والی ان کوششوں میں میں اپنے تمام رفقاء کار اور ذمہ دار حضرات کی خصوصی توجہات کا نمایاں حصہ سمجھتا ہوں کہ ان کی دلچسپی اور تعاون سے یہ کام انجام پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ میں اپنے ان سبھی محترم رفقائے کار کا شکر گزار ہوں، ان میں خاص طور پر ہمارے محترم معتمد تعلیم مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی جو کہ مکہ مکرمہ جیسی متبرک فضاؤں کو چھوڑ کر ہمارے تعاون کے لئے طویل سفر کی صعوبت برداشت کرتے ہیں اور تشریف لاتے ہیں اور ہماری تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔ اور محترم پروفیسر وصی احمد صدیقی صاحب جو انتظامی معاملات میں برابر تعاون اور دلچسپی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اور مہتمم دارالعلوم مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب جو دارالعلوم کی عملی ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں۔ ہم کو مقیم شہر متعدد اہل علم دوستوں کا تعاون بھی حاصل ہے جو اپنا قیمتی وقت ہمارے متعدد کاموں میں تعاون کے طور پر دیتے ہیں۔ ناظر عام مولانا سید حمزہ حسنی ندوی صاحب کا تعاون بھی کاموں میں بڑی تقویت کا باعث ہے۔ ان سب حضرات نیز دیگر تمام ذمہ دار حضرات کا تعاون لائق قدر وتحسین ہے۔

حضرات! اس وقت دنیا کے جو حالات ہیں ان میں مسلمانوں کے اسلامی تشخص اور مسلم ممالک کے تحفظ کو خطرات لاحق ہورہے ہیں، دنیا کی بڑی طاقتیں مسلمانوں کو اسلامی خصوصیات سے بیگانہ کردینا چاہتی ہیں، اس کے لئے دنیا کی یہ طاقتیں ایک طرح سے میدان عمل میں آگئی ہیں، اور ملت اسلامیہ کے مقابلہ میں مذہبی تعصب سے کام لے رہی ہیں، اور اس کام کے لئے سب سے زیادہ میڈیا کے ذریعہ کو استعمال کیا جارہا ہے، اور اسلامی احکام و شعائر کی پابندی کے خلاف لوگوں کی ذہن سازی اس طرح کی جارہی ہے گویا کہ وہ ایک وحشی نظام حیات ہے، حالانکہ اسلامی ممالک کے خلاف بڑی طاقتوں کی طرف سے جو طرز عمل اختیار کیا جارہا ہے وہ خود کھلا

ہوا جابرانہ عمل ہے۔ اس طرح یہ نئی صدی جس کو اسلامی فروغ کی صدی سمجھا جارہا تھا وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے آزمائش کی صدی بنتی جارہی ہے، مسلمانوں کے کئی ملک خصوصی طور پر اس کی زد میں زیادہ ہیں، اور متعدد کو خطرہ لاحق ہے۔ یہ ایک آزمائشی صورت حال ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس آخری اور مہتم بالشان دین سماوی میں ایک ایسی طاقت رکھی ہے کہ شدید آزمائشوں سے گزر کر بھی یہ تازہ ہوتا رہا ہے۔ اس کی چودہ سو سالہ تاریخ یہی بتاتی ہے، مسلمان دانشوروں پر بطور خاص ان حالات سے باخبر رہنے اور ان کے تقاضوں کے مطابق لوگوں کی ذہن سازی کرنے کے سلسلہ میں جو ممکنہ وسائل ہیں ان کو اختیار کرنے کی ذمہ داری ہے، اور یہ ذمہ داری زیادہ تر تعلیمی اور ذرائع ابلاغ کے وسیلوں سے انجام دی جاسکتی ہے، اور اس کو علمی اور فکری صلاحیتوں سے مدد دینے کی ضرورت ہے، الحمد للہ ہندوستان میں اس سلسلہ میں ابھی نسبتاً سہولت زیادہ ہے، اس لئے ہم ہندوستانی مسلم دانشوروں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور وہ الحمد للہ کسی حد تک کام انجام دے رہے ہیں، لیکن اس کی مقدار اور حجم ابھی تک کم ہے، اس کو بڑھانے کے لئے غور وفکر کی ضرورت ہے اور اس میں تعاون اور یکجہتی کی بڑی اہمیت ہے۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ امت کے دانشور شاید ابھی ان خطرات کو پوری طرح سمجھ نہیں رہے ہیں جو بڑھتے جارہے ہیں، اور ابھی اپنی شخصی اور گروہی مصلحتوں سے بلند ہوکر امت کی عزت وتحفظ کے لئے اتحاد واتفاق کے ساتھ ضروری عمل کے سلسلہ میں ہمت وعزم کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نظر آرہی ہے۔ امت کے کام کرنے والوں میں کوئی بھی انتشار حصول مقصد میں بہت بڑی رکاوٹ ڈال سکتا ہے، افسوس یہ ہے کہ اس انتشار کے مظاہرے وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں، اس کے لئے دعاء اور دوا دونوں کی ضرورت ہے۔

اپنے اس جائزہ کے ساتھ آپ سب حضرات کو خوش آمدید کہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کے مشوروں سے ہم کو بڑی تقویت ملے گی۔

(حضرت مولانا) محمد رابع حسنی ندوی (مدظلہ العالی)
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۰۰۵/۰۲/۲۴ء ۱۴۲۶/۰۱/۱۴ھ

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی
ایک اور فخریہ پیش کش

حالات حاضرہ اور مسلمان

از

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

جس میں

ملت اسلامیہ کے مسائل کا بصیرہ افروز تجزیہ
اور ان کا فراست مندانہ حل پیش کیا گیا ہے

☆ ایک رہنما کتاب

جس کا مطالعہ ملت کے ہر دردمند وفکرمند
قاری کے لئے ضروری ہے

آج ہی طلب فرمائیں:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام،
پوسٹ بکس ۱۱۹
لکھنؤ۔ 226007

ممبئی کی
مشہور ومعروف
مٹھائی ساز فرم

طہورا سوئیٹس

اسپیشل مٹھائیاں

❖ افلاطون ❖ نان خطائیاں
❖ ڈرائی فروٹ برفی
❖ قلاقند ❖ ملائی مینگو برفی
❖ بادامی حلوہ ❖ گلاب جامن
❖ دودھی حلوہ ❖ گاجر حلوہ
❖ کاجو کتلی
❖ ملائی زعفرانی پیڑہ

مستورات کے لئے خاص تیسہ لڈو۔
ودیگر ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔

لذیذ مٹھائیوں کے لئے
طہورا سوئیٹس

بلاکس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸
۲۳۰۸۲۷۷۳ ۲۳۰۹۱۳۱۸

رشتہ، ذرہ کا ماہتاب سے

جناب مولانا محمد ولی رحمانی صاحب
(سجادہ نشیں خانقاہ رحمانیہ مونگیر)

نام لینے کی ضرورت نہیں، ''حضرت شیخ الحدیث'' کہہ دیجئے، تو پڑھے لکھے دینی حلقوں کا ذہن حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بے ارادہ چلا جاتا ہے، یہ سہ لفظی ان کے نام سا ہوگیا تھا، اور ان کے برسوں بعد آج بھی ''حضرت شیخ الحدیث'' بولئے تو بے اختیار ذہن کی روانہیں کی طرف جاتی ہے، ان کے علم وفضل، مصروف اور خدمت سے آباد اوقات، اور جلال وجمال سے مرکب شخصیت کے لئے حضرت شیخ الحدیث کا لفظ اچھا ہی لگتا ہے، جو ان کے نام نامی کا بدل بن گیا۔ ان کی عظیم شخصیت پر یہ لباس پُر وقار پورے طور پر پھبتا ہے۔

پہلے پہل ان کی زیارت کا موقعہ ۱۹۵۹ء میں ملا۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ تھی، حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانیؒ اور والد بزرگوار حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ مجلس کے رکن تھے، سفر کی تقریب مجلس شوریٰ میں ان کی شرکت تھی، مجھے بھی اشارہ ملا، اور میں نے رخت سفر باندھ لیا، چار افراد کا قافلہ پہلے دہلی پہونچا، پھر دیوبند۔ اس سفر میں مجھے اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء کے دیدار کا موقعہ ملا، میری زندگی کا وہ یادگار سفر ہے۔ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ ہوگئی، تو دونوں بزرگوں نے گنگوہ، تھانہ بھون، سہارنپور کا رخ کیا، یہ ذرہ حقیر شریک کارواں تھا، اور اسی سفر میں حضرت شیخ الحدیث کو پہلے پہل دیکھنے کی سعادت ملی۔

یہ چھوٹا سا کارواں حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوا، یاد آتا ہے کہ یہ ان کی ملاقات کا وقت نہ تھا، مگر بڑوں کی بڑی باتیں۔ حضرت شیخ الحدیث ذرا تیز تیز بولتے تھے، یہ لہجہ میرے لیے نامانوس تھا، ان کی باتوں کا بڑا حصہ سمجھ میں نہیں آیا، اتنا یاد ہے کہ بات چیت کا اصل محور دارالعلوم تھا، اور طلبہ دارالعلوم دیوبند کی دینی اور روحانی تربیت پر دیر تک بات چیت چلتی رہی، میں خاموشی سے وہیں ذرا کنارہ پر بیٹھا رہا، باتوں کا خاصہ بڑا حصہ گذر چکا تھا، کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے میرے متعلق کچھ دریافت فرمایا، میں پورے طور پر سمجھ نہ سکا، مگر ان کی انگلی کے اشارہ کو میں نے پالیا تھا، اٹھا، دوبارہ مصافحہ کیا، تو انہوں نے ہاتھ پکڑ کر بلکہ کھینچ کر وہیں بٹھالیا، اور بڑی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا، دعائیں دیں، لکھنے پڑھنے کے متعلق سوال کیا، وہیں ہم لوگوں نے ساتھ کھانا کھایا، اور روانہ ہوگئے۔ یہ ہیں پہلی ملاقات کے مدھم نقوش!

دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کا زمانہ آیا، دورۂ حدیث کا سال تھا، دارالعلوم کے صدر گیٹ پر اعلان آیا کہ پرسوں حضرت شیخ الحدیث کے یہاں مسلسلات کا درس ہے، طلبہ کی بڑی جماعت دیوبند سے سہارنپور پہنچ گئی، پہونچنے والوں میں میں بھی تھا، میرے زمانۂ درس سے لے کر آج تک کے رفیق اور مخلص مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ہم تین چار مسافر ان مسلسلات کے امیر اور منتظم تھے، یہ درس اپنے انداز پر ہوگیا، علماء اور طلبہ کی بھیڑ تھی، بحمد للہ ہم لوگوں کا سلسلۂ سند بھی حضرت شیخ الحدیثؒ سے جُڑ گیا، اس موقعہ پر وہاں حضرت شیخ الحدیثؒ کی سند بھی ملا کرتی تھی، مجھے معلوم ہوا کہ سند پر حضرت کے دستخط کی مہر لگتی ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس سند کو لینے کیلئے آمادگی نہ ہوئی، دل میں بات یہ آئی کہ جس سند پر دستخط نہ ہوا سے لینے کا کیا فائدہ؟ مگر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس مرحلہ کو اپنی خدمات کا حصہ سمجھ کر قبول کیا، اور دفتری کاروائی مکمل کر کے سند حاصل کرلی۔

شدہ شدہ بات حضرت شیخ الحدیث تک پہونچ گئی، کہ یہ ذرہ حقیر بھی آیا ہوا ہے، انہوں نے حکم دیا، میری تلاش شروع ہوگئی، اور مجھے حضرت کی خدمت میں حاضر کردیا گیا، بڑی شفقت کا معاملہ فرمایا، کھانے میں شریک رہنے کی ہدایت دی، اور جب ''مرحلہ خیر'' آیا تو مجھے قریب بٹھایا، دریافت فرمایا کہ ''تونے سندلی''؟ میں نے اپنے مزاج کے مطابق جھٹ کہا کہ جس سند پر حضرت کی دستخط نہ ہو، مہر کی چھاپ ہو، اسے کیا لیا جائے، مجھے تو اصلی دستخط والی سند محبوب ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے کسی کو کچھ اشارہ فرمایا، اور مجھ سے صرف اتنا فرمایا ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں سہارنپور ٹھہر گیا، اگلے دن پھر طلبی ہوئی، اور وہ سند مجھے عطا کی گئی، جب میری نگاہ دستخط پر گئی، تو واقعۃً شرمندگی ہوئی، حضرت کا دستخط ذرا مفصل اور دقت طلب تھا، انہیں دستخط کرنے میں زحمت ہوئی ہوگی، مگر حضرت شیخ الحدیث کی یہ ادا، چھوٹوں کو نوازنے کی ادا تھی، ذروں کو چمکانے اور حوصلہ

بڑھانے کی کوشش تھی۔

دارالعلوم دیوبند میں اچھے دن گذر رہے تھے، طالب علمی تو بادشاہت کا دور ہوتی ہے، نہ فکر فردا نہ غم امروز، گھر سے اچھے پیسے آجاتے تھے، کچھ بچ بھی جاتے تھے، اور کچھ اور بچا بھی لیا کرتا تھا، کتابیں خریدتا تھا، خیر بلی کہ سہارن پور میں کسی پرانے کتب خانہ کی کتابیں بہت کم قیمت پر فروخت ہورہی ہیں، سہارنپور پہونچ گیا، اور خاصوقت کتابوں کے چننے چھانٹنے اور خریدنے میں لگ گیا، معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے آستانہ سے طلبی ہے، حاضری دی، شفقت سے قریب فرمایا "تو آتا ہے ملتا نہیں؟" اب میں کیا کہتا، اتنا ہی کہہ سکا، "حضرت آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی"۔ دو تین باتیں پوچھیں، کسی سوال کے جواب میں عرض کیا، کہ ندوہ میں پڑھ رہا تھا، پھر دیوبند آگیا، فرمانے لگے "ندوہ ترے دادا کی جگہ ہے، وہاں سے کیوں بھاگا؟"۔ بات بالکل درست تھی، حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ، بانی ندوۃ العلماء، اور براہ راست نسبی تعلق کی وجہ سے میں "خاندانی ندوی"۔ اور آج بھی ندوہ کے ساتھ میری طالب علمی کا رشتہ قائم ہے، یقین مانئے استاذ محترم مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ پر جب نگاہ پڑتی ہے، طالب علمی بالکل تازہ ہوجاتی ہے، اور سچ کہدوں بڑھاپا جوانی کی طرف لوٹنے لگتا ہے، ہاں تو! حضرت شیخ الحدیثؒ کے سوال کے وزن تلے میں دبا جارہا تھا، دبتے دبتے حضرت سعدیؒ نے میری مدد کی، میں نے عرض کیا۔

تمتع زہر گوشہ یافتم زہر خرمن خوشہ یافتم

کا جذبہ دیوبند لے آیا، حضرت نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا، اور نگاہیں مجھ پر جمادیں، جن میں شفقت وعنایت کی تمازت تھی اب کیا کہوں وہ ایک نظر جو بمشکل اٹھائی جاتی ہے، وہی نظر رگ وپے میں سمائی جاتی ہے۔

مجھے محسوس ہوا کہ میرا جواب مزاج سامی کو بھا گیا، تو میں نے عرض کیا کہ بزرگوں سے سنا ہے، میرے دادا حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اجازت وخلافت سے نوازا تھا، شاید یہ نسبت مجھے دیوبند کھینچ لائی۔ میرے اس معروضہ نے مجھے زیادہ دعاؤں کے حاصل کرنے کا موقع دے دیا، اور میں کتابوں کے ساتھ دعاؤں کے تحفے سمیٹتا دیوبند لوٹا۔

بھلا بتایئے، بڑوں بڑوں کے بڑے کو چھوٹوں کو ماضی وحال سے یہ دلچسپی، یہ شفقت وعنایت اب کسی در پر ڈھونڈے بھی ملے گی؟ حضرت شیخ الحدیثؒ کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے، کہ وہ عزیزوں اور چھوٹوں کو جملوں سے، سوالوں سے، اشاروں سے، دعاؤں سے آگے بڑھاتے تھے، انہیں ہمت، حوصلہ اور توانائی بخشتے تھے۔ یقین کیجئے، یادوں کی وادی میں تھوڑی دیر ٹھہرتا ہوں، تو نہ جانے کتنے اور کیسے کیسے حوصلہ بخش لمحات، ایسا لگتا ہے، جیسے سامنے آکھڑے ہوگئے ہوں، محسوس ہوتا ہے دور خلاؤں سے حضرت شیخ الحدیث کو دیکھ رہے ہیں، کچھ کہہ رہے ہیں، حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔

قدم قدم میری ہمت بڑھائی جاتی ہے
نفس نفس تیری آہٹ سی پائی جاتی ہے

یادوں کے دریچہ سے چھن چھن کر ایک ایک واقعات سامنے آرہے ہیں، لکھوں تو دفتر تیار ہوجائے، اور آداب مجلس یہ ہے کہ وقت بچا کر مقالہ لکھئے، پلک جھپکتے حال دل کہہ ڈالئے اور ادھر یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں۔

یادش بخیر! تیس سال پیچھے لوٹ جایئے، ایمرجنسی کے تاریک دن، ایسا لگتا تھا کہ اپنی زندگی میں یہ راتیں کبھی ختم نہ ہونگی، جبری نسبندی کا زور، حکومت کی دھڑ پکڑ، حق بات کا زبان پر لانا مشکل، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے نسبندی کے خلاف رسالہ لکھا، اور اردو، ہندی، انگریزی میں چھپوا کر بٹوا دیا، لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب اندر ہوئے تب اندر ہوئے، وہ رسالہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں مدینہ پہونچا، اور ساتھ ساتھ خبریں اور اندازے بھی، ہم لوگ بھی سمجھ رہے تھے، کہ اظہار حق کے حسین جرم میں جیل کی نوبت آنے ہی والی ہے، والد ماجدؒ بھی اس مرحلہ سخت کے لئے آمادہ تھے، ہم لوگوں سے کہتے تھے، کہ کبھی وطن کی آزادی کے لیے جیل گئے تھے، اب دین کی آزادی کے لئے جیل جانا ہے، میری حرکتیں سرکار والا تبار کے جبین نازک کو بار بار شکن آلود کررہی تھیں، ان نازک مرحلوں میں حضرت شیخ الحدیث کے تین عنایت نامے اس ذرہ حقیر کو ملے، پہلے میں انہوں نے والد ماجد مولانا منت اللہ رحمانی کے رسالہ "خاندانی منصوبہ بندی" کی تحسین فرمائی تھی، اور یہ جملہ بھی لکھوایا تھا کہ امیر شریعت نے علماء ہند کی طرف سے فرض کفایہ ادا کردیا، پھر خوب دعائیں دیں، بقیہ دونوں گرامی نامے بھی اس رسالہ اور ملکی حالات سے متعلق تھے، یہ جملہ بھی اس مکتوب گرامی میں تھا، کہ انہوں نے احقاق حق اور ابطال باطل کی بڑی خدمت انجام دی، کچھ اس انداز کی بات بھی ذرا تفصیل سے تھی کہ ہندوستان کے حالات بہتر نہیں جارہے ہیں، اور مشکلات اور بھی آسکتی ہیں، مگر یہ وقت بھی گذر جائے گا اور بدلیاں چھٹ جائیں

گی، یہ جملے دراصل میری اور رفقاء کی ہمت افزائی کے لئے تھا تاکہ آنے والے "مشکل حالات" اور جیل کے مرحلوں میں حوصلہ بخشتے رہیں، دورہ کر مشغولیتوں میں گھرے ہونے کے باوجود وطن کے حالات کے لئے فکرمندی اور خدام کی ایسی حوصلہ افزائی انہیں کا حصہ تھی۔

حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہونے، ان کی مجلسوں میں بیٹھنے کا مقصد کیا رہا ہے؟ اپنی اصلاح، صالحین سے تعلق اور محبت کا مقصد صرف یہی تو ہوتا ہے کہ صلاح اپنا بھی مقدر بن جائے۔ لعل اللہ یرزقنی صلاحا۔ اگر یہ صحیح ہے تو مان لیجئے، میں جب مونگیریؒ کی خانقاہ رحمانی میں ہوتا ہوں، روز بعد عصر حضرت شیخ الحدیث کی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں، ان کے الفاظ وکلمات سے استفادہ کرتا ہوں، فضائل اعمال مسجد میں سنتا ہوں، استغفار پڑھتا ہوں، اللہ سے رحم اور رحمت کی بھیک مانگتا ہوں حضرت شیخ الحدیثؒ کا فیض اس شکل میں بھی جاری ہے اور دور دور تک پہونچ رہا ہے۔ ان کی مجلسیں آج بھی آراستہ ہیں، وہ نہیں ہیں، کتاب تو ہے، یہ کتاب جہاں پہونچی منبر پر جگہ ملی، محراب کے سایہ میں رہی، ہدایت کا ذریعہ بنی۔

منعم بدشت وکوہ بیاباں غریب نیست
ہرجا کہ رفت خیمہ زد وبارگاہ ساخت

یقین کیجئے! یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی بارگاہیں ہیں، فضائل کی مجلسیں، ذکر کی مجلسیں۔، جن کی زندگی بدل گئی، جنہوں نے گناہوں سے پیچھا چھڑالیا، ان سے پوچھئے کہ مرحوم شیخ الحدیث کی ان زندہ مجلسوں میں کتنا دم، کتنی زندگی کیسا پیغام، کیسی تابندگی ہے۔

بعد از وفات تربت ما در زمین مجو
در سینہائے مردم عارف مزار ما ست

جو علمی موشگافیوں کو سب کچھ سمجھتے ہیں، انہیں کون سمجھائے کہ یہ "فضائل اعمال" نہ کتاب العقائد ہے نہ کتاب الاحکام، یہ عمل پر آمادگی پیدا کرنے والی کتاب ہے، اور تہی دامان عمل اصحاب فکر ونظر سے صرف اتنا کہا جاسکتا ہے۔

لاکھ آفتاب پاس سے آئے گذر گئے
بیٹھے وہ انتظار سحر دیکھتے رہے

حضرات گرامی! مجھ جیسا ذرہ حقیر فضائل اعمال کی متنی صحت اور سندی حیثیت پر کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، یہ تو اہل علم کی باتیں ہیں، انہیں زیب دیتی ہیں، کہنے کو میں نے بھی پڑھاتے پڑھاتے اور بڑھتے بڑھتے مشکوٰۃ شریف اور ابوداؤد شریف برسوں پڑھائی ہے، مگر یہ قصہ پرانا ہوچکا، اب توع

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم

کل مذاکرہ علمی میں جو گفتگو ہوئی، اسے تازہ کیجئے، ادب کے ساتھ کتب حدیث کی عظمت کو دل میں رکھتے ہوئے اتنا کہنے کی جرأت کرتا ہوں، کہ کتاب فضائل کی فضیلت اور طرح بھی ثابت ہوسکتی ہے، بخاری شریف کی ضعیف روایتوں کو ابھار کر، حدیث کی قدیم اور مستند کتابوں کی کمزوریوں کو گنا کر "فضائل اعمال" کی صحت پر استدلال، علمی انداز بیان اور مناقشہ کی زبان میں درست ہوسکتا ہے، خادمان دین متین کی صحت مند روش نہیں ہوسکتی، کہنا ہی یہ چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسند جرح وتعدیل پر فروکش علامہ ابن حجرؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ کا سخت معیار اس منصب کا تقاضہ ہے اور مسند دعوت وارشاد پر بیٹھے شیخ ابن حجر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا بیان کچھ اور ہوتا ہے، ان کی کتابیں اس کی گواہ ہیں، جرح وتعدیل، عقاید واحکام، وعظ وتبلیغ کے تقاضے الگ الگ ہیں، اور انداز بیان بھی علیحدہ علیحدہ۔

"فضائل اعمال" میں کمزور روایتیں ہیں، ہوسکتا ہے اہل علم کو موضوع روایتیں بھی مل جائیں، لیکن ان سب کا قبلہ مقصود کعبہ مشرفہ ہے، گنبد خضراء ہے، ہدایت ہے، نجات ہے، اسلئے یہ کتاب مجھے عزیز ہے اور میں کیا لکھوں کہ ایمان کی تازگی کا ذریعہ اور اعمال کی درستگی کا زینہ بنی ہے۔

خدا میری غلطی کو معاف کرے، مجھے کہنے دیجئے جو جرح وتعدیل اس کتاب پر کبھی کبھی اونچی اونچی محفلوں سے سنائی دیتی ہے، اہل علم جو تبصرے فرماتے ہیں، تو حقیر ذروں کی کمزور آواز آتی ہے کہ وہ سچ جو سرکشی کے جرثومے کو تندرست کرے، اس جھوٹ سے بہتر نہیں ہوسکتا، جو طاعت اور اطاعت کا خوگر بنادے۔

"فضائل اعمال" فنی لحاظ سے کمزور ہے یا مضبوط، فیصلہ کبھی کسی فرصت میں کرلیجئے گا، مگر اسے دل میں جگہ دیجئے کہ حضرت شیخ الحدیث کے اس عمل میں کتنا اخلاص اور کیسی برکت ہے، یہ بے جان زندوں کو زندگی دے رہی ہے اور حیوانوں کو انسان بنارہی ہے!!!

دعائے مغفرت

☆ مولانا فخر الحسن صاحب ندوی کی والدہ ماجدہ ۱۰ر ذی الحج کو انتقال فرماگئیں ☆ اشفاق خان صاحب پروپرائٹر شباب کینٹین کے ماموں سعید خاں صاحب موہنہ میں انتقال کرگئے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

شخصیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

از: جناب مولانا ابوظفر حسان ندوی ازہری

حضرت مولانا علی میاںؒ کے انتقال کو اگرچہ چند برس بیت گئے مگر ان کی دلآویز شخصیت پر لکھنے لکھانے کا سلسلہ برابر جاری ہے، حضرت مولانا اس دارفانی سے کوچ کر گئے مگر ان کی فکر زندہ و پائندہ ہے۔ شخصیتیں اٹھ جاتی ہیں مگر ان کی فکر کا سفر جاری رہتا ہے اور زندگی کی گذرگاہوں میں فکر ونظر کے چراغ روشن ہوتے رہتے ہیں، ان سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں جب بھی ان کی یادوں کی کسک اٹھتی ہے تو وہ تحریر کا روپ دھار لیتی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا پر بھی نہ صرف مضامین کا بلکہ کتابوں کی تالیف کا بھی سلسلہ جاری ہے، گزشتہ شمارہ میں ہمارے قارئین نے ڈاکٹر عبادالرحمٰن نشاط کی تالیف ''نقوش حیات'' پر تبصرہ پڑھا ہوگا اس شمارہ میں ملاحظہ فرمایئے زیر نظر ایک غیر مطبوعہ مضمون (امین شجاع)

قمریاں پاس غلط کردہ خودی کردند
ورنہ یک سرو دریں باغ باندام تو نیست

عالم اسلام کی عظیم المرتبت، جلیل القدر، نابغۂ روزگار شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی شخصیت وہ ذات تھی جو مکمل طور پر اسلامی فکر وتمدن کی نمائندہ اور مشرقی تہذیب وشائستگی کا پیکر جمیل، جس کا وجود اسلامیان ہند کے لئے بیسویں صدی کا خدائی تحفہ اور جس کی ہستی برصغیر کے لئے عہد کا سب سے قیمتی سرمایہ اور جو اپنی ذات میں ایک درویش بوریہ نشین مگر اقلیم خودی کا بے تاج بادشاہ۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

عرفان ذات کا یہ حال کہ شاہوں کی دعوت کو ٹھکرادے، احساس فرض کا یہ حال کہ ندوہ کے چوکیدار سالک رام کی رام کہانی اور خود اس کی زبانی پورے انہماک سے سنے، اعزہ واقارب، دوست واحباب، ملنے جلنے والے سب کے ساتھ حسب حیثیت برتاؤ اور سب کی خاطرداری، ان کے سارے اوصاف نے محبوبیت کی ایسی شان پیدا کردی تھی کہ ایک خلقت ان کی شیدائی، باریابی کا ہر کوئی تمنائی، ان سے انتساب پر نازاں، ان کی ملاقات سے شاداں وفرحاں اور جی جان سے ان پر قرباں۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بیسویں صدی کی ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جو آفتاب نصف النہار بن کر اپنے علم وفضل کی ضیاء باری سے ایک عالم کو منور کرتی رہی اور ابر نیساں بن کر پوری صدی کو سیراب کرتی رہی، لگ بھگ پوری صدی پر محیط اس ہستی کے خوان کرم کی زالربائی سے کتنی جانوں کو آسودگی ملی اور کتنی روحیں سیراب وشاد کام ہوئیں۔ عمیق علمیت، فکری وسعت، زبان وبیان پر مکمل گرفت، تحریر کی ندرت، تقریر کی جامعیت کا اتنا وافر حصہ کم ہی کسی کے حصے میں آیا ہوگا۔ قدرت کی فیاضی نے مولانا کو تاڑ لیا تھا اور مولانا نے قدرت کے عطیہ کی پوری پوری قدر کی۔ اس پر مستزاد وہ اعلیٰ ظرفی وفراخ دلی، سیر چشمی وخودداری کہ جس کا ذکر عہد وسطیٰ کے ممتاز علماء حق کے تذکروں میں ملتا ہے۔ دیکھنے اور سننے میں عہد جدید کا آدمی، برتنے اور آزمانے میں عہد عتیق کا نمونہ سلف صالحین کے کوچہ وبازار میں رائے پور کی پگڈنڈیوں کو یاد کرنا، علمی سطح کے دانشوروں کو خطاب کرکے اسے اپنے شیخ حضرت رائے پوری کی خدمت وصحبت قرار دینا محض کسر نفسی اور تواضع ہی نہیں بلکہ مرشد کے ساتھ باندھے پیمان وفا کی استواری کا اعلان ہے اور یہ اعلان ایسا اعلان نہیں کہ جسم وجان کے رشتے ٹوٹنے سے ٹوٹ جائیں۔ یہ روح کی صدا ہے جو عارضی نہیں، دائمی ہے اور جس کا مظاہرہ ان کی پوری زندگی میں ہوتا رہا ہے۔ تواضع، سادگی، بردباری، عفو ودرگزر کے خاصہ نے ان کے خلوص کو کچھ ایسی تمازت بخشی تھی جو دلوں کی انگیٹھیوں کو گرما دیتی تھی اور پندار کے تمثال کو چور چور کردیتی تھی۔

ہم کعبہ وہم بتکدہ سنگ رہ مابود
رقیم وصنم بر سر محراب شکستیم

شاہان اسلام اور سربراہان مملکت اسلامیہ کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے والا، ان سے دوبدو باتیں کرنے والا جب سفر سے لوٹتا تو ندوہ میں داخل ہوتے وقت اپنے آپ کو مخاطب کرکے کہتا۔ ''یاابل، عودی الی مبارك''۔ ''اے اونٹ، اپنے تھان پر چل''۔ کہیں سے یہ تاثر نہیں ملتا کہ عالم اسلام کی سب سے برگزیدہ ہستی ہے۔ لندن کا جب پہلا سفر ہوا تو واپسی اس دن ہوئی جب کہ ندوہ میں تبلیغی اجتماع شروع ہو چکا تھا اور دوسرا دن تھا۔ شہر کا شہر ٹوٹ پڑا تھا کہ حضرت مولانا کا بیان سننا ہے۔ اور حضرت مولانا ہیں کہ کسی قیمت پر گفتگو کرنے کو تیار نہیں۔ تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں کا اصرار، عوام کا مطالبہ، شرفاء لکھنؤ کی منت وسماجت، بڑی عجیب صورت حال تھی۔ بالآخر حضرت مولانا محمد یوسفؒ نے اپنی شخصیت کا وزن رکھا اور حضرت مولانا تقریر پر آمادہ ہوئے۔ ہر کوئی سمجھ رہا تھا کہ آج تقریر انگلینڈ کے تذکروں سے بھری پری ہوگی، کتنے علمی نکتے سننے کو ملیں گے، حقائق سے پردے اٹھیں گے، فلسفۂ تاریخ کے کتنے مسائل زیر بحث آئیں گے، فلسفۂ جدید کی

کتنی گتھیاں کھلیں گی، جدید تہذیب کے چہرے کی نقاب کشائی ہوگی انڈیا آفس کا ذکر ہوگا، برٹش میوزیم کے عجائبات پر روشنی ڈالی جائے گی، قصر بکنگھم کا بیان ہوگا اور پھر لندن کی باتیں ہوں گی۔ اور کیوں نہیں جب کہ سیاح کوئی اور نہیں ہے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہیں، جن کے سفر کا ایک مقصد یہ بھی تھا جو مجمع سوچ رہا تھا مگر جب حضرت مولانا تقریر کے لئے تشریف لائے اور کرسی پر بیٹھے تو ایسا کچھ نہ تھا، خالص تبلیغی جماعت کے فکر وذہن کی باتیں تھیں، لہجے کی وہی شیرینی، جملوں کی ایک خاص گھلاوٹ، دل میں اتر جانے والی کیفیت، سوز میں ڈوبی زبان اور خود صاحب مقال کا یہ حال گویا ابھی کسی تبلیغی سفر سے آیا ہوا ہے اور پھر سفر کی تیاری، نہ انگلینڈ اور نہ انگلینڈ کی باتیں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ کوئی دس بارہ برس کا رہا ہوں گا کہ اسی بمبئی میں مرحوم قاضی اطہر مبارک پوری صاحب کی ادارت میں نکلنے والا انجمن خدام النبی کا ماہنامہ ''البلاغ'' کانپور شمارہ آیا ہوا تھا، ندوۃ العلماء کے کتب خانے میں رسائل وجرائد کی میز پر کچھ بڑے اور کچھ ہم جیسے خوردسال طلباء مطالعہ کر رہے تھے،، حضرت مولانا اتفاقاً آگئے، ہر ایک کے ہاتھ سے پرچہ لے لے کر دیکھتے اور واپس کردیتے۔ کسی صاحب کے ہاتھ ''البلاغ'' تھا، اس میں مرحوم شفیق جونپوری صاحب فخر مشرق کی طویل نظم مولانا کے نام معنون تھی اور جس کا مضمون مولانا کی ذات وصفات سے متعلق تھا اور وہ صاحب یہی نظم پڑھ رہے تھے۔ مولانا نے ان سے پرچہ لیا، دیکھا فرمایا ''کام کی چیزیں پڑھا کرو'' پرچہ ان کے حوالے کرکے آگے بڑھ گئے۔ بیس بائیس سال کی عمر سے ہی عزت وشہرت اردگرد منڈلانے لگی تھی۔ اکابر وقت، ممتاز علماء، کہن سال مشائخ، سرد وگرم چشید سیاستداں، صف اول کے شعراء، زبان وادب کے معتبر ناقدین، مہمات سر کرنے والے وکلاء کے درمیان کی جگہ پانے کے باوجود ہر ایک کے مرتبہ کا پاس، ہر ایک کے شایان شان برتاؤ، اور کہیں سے اس احساس کا شائبہ نہیں کہ ان اساطین کی ہمرکابی ابھی میسر ہے تو آگے چل کر ہمسری کون کرے گا؟ جس سے ملے تواضع سے ملے، جس کے پاس حاضر ہوئے، نیاز مندی کا مظاہرہ کیا، جاننے والے جانتے ہیں کہ اس بیس بائیس سال کی عمر میں یونیورسٹی علی گڑھ کی فیکلٹی آف تھیالوجی کے شعبۂ دینیات (سنی) کی نصاب کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے اور علی گڑھ اسٹیشن سے تانگہ کرکے سیدھے مولانا سید سلیمان اشرف کے مکان پہنچے، برآمدہ میں سے نکل کر مولانا سید سلیمان اشرف سامنے آئے، دیکھا علی میاں ہیں۔ بہت خوش ہوئے، بڑے تپاک سے ملے اور کہا ''علی میاں! تم نہادھو کر ڈپارٹمنٹ آجانا، تمہارے انتظار میں مجھے دیر ہوگئی، مجھے یقین تھا کہ تم سیدھے ہمارے یہاں آؤگے اور یہیں ٹھہروگے۔ میں تمہیں خط لکھنے والا تھا مگر سوچا کیا فائدہ خط لکھ کر آخر تم یہیں آئے'' یہاں مولانا سلیمان اشرفؒ کے بارے میں چند باتوں کا ذکر اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سے دونوں کے روابط کی اہمیت کا اندازہ ہوسکے اور صحیح نوعیت سمجھ میں آجائے۔ مولانا سید سلیمان اشرف مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلویؒ کے اجل خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ جب کہ مولانا علی میاں صاحب اپنے فکر ومزاج کے اعتبار سے بالکل الگ ہی نہیں دور دور بھی ہم مسلکی کا شائبہ بھی نہیں۔ مولانا علی میاں کی ابھرتی عمر جسے کسی طرح پختہ نہیں کہا جاسکتا، مولانا سلیمان اشرف عمر رسیدہ، تجربہ کار، جہاندیدہ عالم دین، بڑے بڑے ان کے سامنے زبان کھولتے گھبراتے، مرحوم رشید احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ علامہ اقبال علی گڑھ آئے ہوئے تھے، مولانا سید سلیمان اشرف نے انہیں دعوت دی اور ساتھ میں روؤسا اور داعیان شہر کو بھی مدعو کیا، دسترخوان پر دوران گفتگو علامہ اقبال نے مولانا کی کسی کتاب کا ذکر کیا اور بعض مشورے دیئے۔ مولانا نے کہا کہ آپ کی رائے مجھے اس وقت ملی جب کتاب پریس جاچکی تھی اور چھپائی شروع ہوچکی تھی آئندہ ایڈیشن میں اس کے مطابق ترمیم وتبدیلی کرلوں گا۔ اتنے میں ایک نواب صاحب بھی بول پڑے۔ مولانا نے ان کو مخاطب کرکے کہا۔ نواب صاحب! آپ خاموش رہیں، یہ آپ کا موضوع نہیں ہے۔ اتنا ہی نہیں۔ کھانے کے بعد جب آم کا دور شروع ہوا تو نواب صاحب پھر کچھ بولے تو مولانا نے کہا ''ہاں، اب بولئے، اب آپ کا موضوع ہے۔'' یہی مولانا سلیمان اشرف اپنے کسی عزیز کو لینے اسٹیشن گئے ہوئے تھے، گاڑی آئی، ٹھہری، سامنے کے ڈبہ سے اس وقت کے وائس

مولانا نے ناصر کو کبھی پسند نہیں کیا، اپنی استطاعت بھر اس کے افکار ونظریات سے برسرآزار ہے، اپنی عربی انشاء کی اعلیٰ تخلیقات اس کے طلسم کو توڑنے میں صرف کرتے رہے، مگر 1967 میں جب عرب اسرائیل جنگ ہوئی تو دوران جنگ کی صاحب نے مصر کی پسپائی پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: اسرائیل کے ہاتھوں فرعون مصر کا یہی انجام ہوگا حضرت مولانا نے فوراً کہا ناصر کو اس وقت کچھ مت کہئے، اس معرکہ میں وہ ہمارے وقار کا مرکز بن چکا ہے، ہم اس کی فتح اور سرخروئی کے لئے دعاگو ہیں

چانسلر ڈاکٹر محمد ضیاء الدین نکلے اور مولانا کی طرف لپکے، مولانا نے پہلو بچالیا اور یوں کہا" میں آپ کو لینے نہیں آیا ہوں" یہ لوگ آپ کو لینے آئے ہیں، میں تو اپنے گاؤں سے آنے والے عزیز کو لینے آیا ہوں،" ایسے صاف گو اور رو رعایت نہ کرنے والے عالم دین کے گھر قیام کرنا اور اس کے شعبہ کے نصاب درس کو ترتیب دینا، مولانا کا معمولی کارنامہ نہیں ہے اور اگر اس میں یہ جزو اور شامل کرلیا جائے کہ مولانا علی میاں نصاب درس میں تبدیلی کے سب سے بڑے داعی، نقیب اور نقاد، اور مولانا سلیمان اشرف بزرگوں سے ورثہ میں پائے ہوئے نصاب درس اور طریق تدریس کے امین ومحافظ، اندازہ کیا جائے کہ شیشہ گری کا یہ کام کتنا صبر آزما اور دقت طلب رہا ہوگا اور کس طرح عہدہ برآ ہوئے ہوں گے علی میاں کہ نصاب درس بھی ترتیب دیا جائے حالات وضروریات کے مطابق اور بال بھی نہ آئے مولانا سید سلیمان اشرف کے آبگینۂ دل پر۔

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

اوپر علامہ اقبال کا ذکر آیا ہے تو جان لیا جائے کہ اقبال سے مولانا کو محض انسیت ہی نہ تھی بلکہ اقبال کو انہوں نے ہر گوشہ سے دیکھا اور پرکھا تھا، ان کا بھرپور مطالعہ کیا تھا، ان کے کلام کی حقیقی روح کو سمجھا تھا، چنانچہ جب قاہرہ یونیورسٹی میں انہیں محاضرات کے لئے دعوت دی گئی تو اپنا موضوع "اقبال: کلام اقبال کے آئینے میں" چنا اور محاضرات کے سلسلے میں اقبال کے فلسفیانہ طرز فکر کو داعیانہ قالب میں ڈھال کر عالم عرب میں نئے سرے سے اقبال شناسی کا ماحول پیدا کیا جب کہ اس سے پہلے عبدالوہاب عزام اور عقاد وغیرہ اپنے تئیں یہ فریضہ انجام دے کر عہدہ برآ ہو چکے تھے، مولانا علی میاں صاحب کے یہ محاضرات "روائع اقبال" کے نام سے شائع ہوئے ہیں، اور اس کے بعد عربی کا جامہ پہنایا، مولانا علی میاں صاحب نے اپنی نجی گفتگو میں ایک سے زیادہ مرتبہ یہ بات کہی کہ "میں نے اقبال کو بہت سوچ سمجھ کر عربوں کے سامنے پیش کیا، میں سمجھتا ہوں کہ اقبال اور علی میاں کے درمیان اتحاد فکر کی اساس اسلام کا وسیع تر تصور اور ملت کی وسیع سے وسیع تر شیرازہ بندی ہے، جسے بعد میں "پان اسلام ازم" کا نام دیا گیا اور جو اقبال کی شاعری کے ایک بڑے حصہ پر محیط ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اور جس میں وطنیت اور قوم پرستی کو مذہب کے لئے نہ صرف ایک بڑا خطرہ بلکہ تہذیب حاضر کے آذر کا تراشا ہوا سب سے بڑا بت قرار دیا گیا ہے

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہی وجہ ہے کہ مولانا کی عربی تحریروں اور تقریروں کا معتد بہ حصہ وطنیت کی بیخ کنی پر مشتمل ہے اور عالم اسلام کا اصل علاج اور نسخہ شافی "الی الاسلام من جدید" تجویز کیا گیا ہے، حضرت مولانا کسی عربی کانفرنس سے لوٹ کر آئے تھے تو سنا رہے تھے کہ ایک افریقی ملک کے نمائندے نے اپنی تقریر یوں شروع کی "مواطنی الکرام، مواطنی فی الاسلام لافی الارض واللسان" میں بہت چھوٹا تھا مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ منظر کتنا طرب انگیز تھا اور کس درجہ مولانا ہشاش بشاش تھے، مصر کے جمال عبدالناصر اور ان سے پہلے مصطفی کمال اتاترک اپنی شاطرانہ چالوں سے اسی وطنیت کے غیر صحتمند فلسفہ کے جال میں اپنی اپنی قوم کو پھانس چکے تھے اور جس کے نتیجہ میں ترکی نے اس لئے اذان کہنا بند کردیا تھا کہ اس کے الفاظ عربی ہیں ترکی نہیں جب کہ ترکی میں ہر چیز ترکی ہونا چاہئے، جو لوگ مولانا سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ مولانا نے ناصر کو کبھی پسند نہیں کیا، اپنی استطاعت بھر اس کے افکار ونظریات سے نبرد آزما رہے، اپنی عربی انشاء کی اعلیٰ تخلیقات اس کے طلسم کو توڑنے میں صرف کرتے رہے، مگر 1967 میں جب عرب اسرائیل جنگ ہوئی تو دوران جنگ کسی صاحب نے مصر کی پسپائی پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: اسرائیل کے ہاتھوں فرعون مصر کا یہی انجام ہوگا حضرت مولانا نے فوراً کہا ناصر کو اس وقت کچھ مت کہئے، اس معرکہ میں وہ ہمارے وقار کا مرکز بن چکا ہے، ہم اس کی فتح اور سرخروئی کے لئے دعا گو ہیں، جب کہ مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش میں کمال سے جمال تک کے عنوان کے تحت ان کے عزائم سیاہ کارنامے، مضمراثرات، گمراہ کن پروپیگنڈہ نیز ان کے سیہ کاریوں کا پردہ چاک کرکے ان کی صحیح رہنمائی کی ہے، مغرب کی پھیلائی ہوئی لعنت سے عرب نوجوانوں کو بچانے لپکے اور ان میں صحیح اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کے لئے مولانا نے عرب قومیت کے تصور کے خلاف محاذ آرائی کی اور مصر اور شام کے مسلمانوں کو پیغام حق دینے کے لئے "اسمعی یا مصر" اسمعی یا سوریا" عنوانوں سے انہیں مخاطب کیا اور ان کے سامنے دین کی رسالت محمدی کی قرآنی تعلیم کی صحیح ترجمانی کی جس کے باعث انہیں داعی اور مفکر جیسے القاب سے یاد کیا گیا اور جو ان کی علامت اور شناخت بن گیا اور اسی دعوت کے عمل کے مثبت پہلوؤں کو سامنے رکھ کر انہیں شاہ فیصل ایوارڈ بھی تفویض کیا گیا اور یہیں سے

ایوارڈوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو زندگی کی آخری سانس تک قائم رہا، داعیانہ زندگی کی سنگلاخ راہ پر چلنے کے مقابلہ آسان تھا کہ مولانا محقق اور ناقد کی زندگی گذارتے جہاں فکر ہے عمل نہیں، اظہار خیال ہے تجربہ نہیں، ہیولی ہے صورت نہیں، آئیڈیا ہے آئیڈیل نہیں، مثال ہے تمثال نہیں، کنج تنہائی ہے عافیت ہے، چین ہے، سکون ہے مگر مولانا نے اپنے لئے دعوت پسند کیا جہاں قدم قدم بلائیں ہیں، آبلہ پائی ہے، مخالفتیں ہیں، ٹکراؤ ہے، احتجاج ہے، شور وغوغا ہے، جہاں امام مالک، ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، عز بن عبدالسلام، ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید، مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہم اللہ کے نقوش قدم ثبت ہیں، اور جن کے خون سے گذرگاہ رنگین ہے۔

سرخی خار مغیلاں یہ پتہ دیتی ہے
تیرے دیوانے ادھر آئے، یہاں تک پہنچے

اور اسی پر اکتفا نہیں، جاتے جاتے صحرائے عمل سے کہتے گئے۔

تیز رکھنا سر ہر خار کوئے دشت جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

اسی کاروان فکر وعمل کے رہرو اور اسی جماعت ایثار واخلاص کے ایک فرد بن کے جینے والے خانوادۂ شاہ علم اللہ کے روشن چراغ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے وجود میں ان چراغوں کا نور کچھ اس طرح جذب کرلیا تھا کہ انکے وجود سے پھوٹنے والی کرنیں جمال وجلال کا آمیزہ بن گئیں، اگر ایک طرف رات کے آخری پہر کی گریہ وزاری اور دعا ومناجات کی حلاوت پھوار کی مانند زندگی کو نمی اور روح کو بالیدگی عطا کرتی تو دوسری طرف دن میں دعوت وعمل کا پیمبرانہ لب ولہجہ سنگ خار کو موم کردیتا۔

آغشتہ ایم ہر سر خار بخون دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

مسلمانان ہند کی خوش نصیبی ہے کہ انہیں تاریخ کے ہر دور میں مسیحا نفسی میسر آتی رہی ہے، تقسیم ہند کے المیہ نے برصغیر میں مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا جس کے باعث عددی قوت کے گھٹنے کے ساتھ ارباب فضل وکمال اور مردان صفا کا بھی قحط سا پڑ گیا، بھیڑ یقیناً نظر آئی لیکن مردان کار زار مفقود رہے، خانقاہیں ساز وآہنگ کے ساتھ آباد ہیں مگر ویرانہ دل کی آبادی کے دور دور آثار نظر نہیں آتے، مدرسے، درسگاہیں، دانشگاہیں بڑھتی گئیں، صوت وحرف پھلتے پھولتے رہے، پر شجر معنی بے برگ وثمر رہا، ایسے دور میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، دارالعلوم ندوۃ العلماء علم وفکر کے مراکز کے طور پر اور رائے پور، تھانہ بھون، جلال آباد، گنگوہ، دیوبند، سہارن پور، الہ آباد، رائے بریلی کی خانقاہیں روحانی اور تربیتی مراکز کے طور پر مرجع خاص وعام بنیں، عربی شاعر امرأالقیس کی زبان میں "منارۃ ممسی راھب مستبتل" اگر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اخیر اخیر ان سب کا خمیر وضمیر مولانا کی ذات میں سمو گیا تھا اور وہ خود اسلاف کی امانتوں کے امین اور ملت کی کشتی کے کھیون ہار قرار پائے تادم واپسیں ان کے قوائے عمل برسرکار رہے، ان کے بازو کی توانائی ناتوانی سے ہاری نہیں اور نہ ہی اپنے کاز سے رشتہ ٹوٹا، جس طرح وہ اپنے فکر وذہن میں جدید سے جدید تر تھے اور اپنے عقیدے اور عمل میں قدیم سے قدیم تر، اسی طرح رائے بریلی کی ان کی قیام گاہ تکیہ عہد حاضر کی جدید خانقاہ تھی، جہاں صہبائے کہن ساغر میں قومیں ڈھلتی تھیں اور جہاں میخانے کا محروم بھی محروم نہیں تھا، کبھی کبھی انہیں یہ شعر پڑھتے سنا گیا:

حشر تک یارب طفیل خادماں مئے کدہ
ایک در توبہ کھلا رکھ اک دکان مئے فروش

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
چھیاسی سال کا تھکا ماندہ مسافر کب تک،
بھٹکتا پھرتا اور اس سے پوچھنے والے پوچھا کرتے:
منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی؟

صحرائے عرب سے آئے ہوئے قافلے والوں
کا لعل شب چراغ ایک دن گم تو ہونے والا تھا سو ہوا،
ہزاروں سونے والوں کو جگانے والا، قریوں، قصبوں،
شہروں، ملکوں، پہاڑوں، صحراؤں، دریاؤں اور بر
اعظموں کا چکر کاٹنے والا اگر تھک کر سو جائے تو اس
کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے:

منزل نہ آمدہ کہ بہ منزل رسیدہ
دریائے سئی کے کنارے شاہ علم اللہ کے احاطہ
میں منزل ابد کے مسافر نے خود کو الوداع کہنے والوں
سے شاعر کی زبان میں چپکے سے کہا:

شکریہ او قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب تو تنہا ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

وہی رائے بریلی ہے، وہی تکیہ ہے، وہی ندوہ
کا کتب خانہ ہے، وہی ندوہ کی مسجد ہے، وہی مسجد
کے منبر ومحراب، وہی اونچے بلند مینارے، وہی
مہمان خانہ، وہی درس وتدریس کی گہما گہمی، وہی دن
ورات، وہی سب کچھ مگر ان سب کے باوجود کمی ہے
اور بڑی کمی ہے، کوئی آواز دور دور نہیں، اور یہ آواز شیخ
علی حزیں کی زبان میں:

آواز تیشہ ام شب از بے ستوں نیاید
شاید بخواب شیریں فرہاد رفتہ باشد

دارالعلوم کے طالبعلم شعیب احمد (کرناٹک) کے والد شجاع الدین صاحب ایک حادثہ میں انتقال کرگئے، قارئین سے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

تجدید عہد

ہمیں دائمی امت ہیں!

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی

ترجمہ: ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی

ہمیں دائمی امت ہیں! ہم نے تاریخ میں اپنے شاندار کارناموں کے انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں ہماری روشن تہذیب ہی سے ہماری شناخت ہے ہماری جانبازی اور بہادری ہی نے ہمیں دنیا میں سرفرازی وعالی مقام عطا کیا ہمیں دائمی امت ہیں، دنیا میں کون سی قوم ہماری ہمسر ہے، ہم نے آزادی کا علم اس وقت بلند کیا جب قومیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں ہم نے علم کی شمع اس وقت روشن کی جب عقل انسانی، ناخواندگی کی تاریکی میں بھٹک رہی تھی ہم نے انصاف اس وقت قائم کیا جب فارس وروم اپنی جنگی ہوسناکیوں کے لئے عوام پر ظلم وجبر کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔

ہمیں دائمی امت ہیں! ہم نے انسانیت کی راحت وفلاح کے لئے مال ودولت خرچ کی جب کہ اغیار، زور وزبردستی سے دولت اکٹھی کررہے تھے، ہم نے ' ں وقت جان وآبرو کا تحفظ کیا جب اغیار، انسا ں کے خون وعزت سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔

ہمیں دائمی امت ہیں! ہمارے سر اللہ عزوجل کے سامنے جھکتے ہیں، اس کے سوا سب سے بلند رہتے ہیں، ہمارے دل خیر پسند ہیں اور ہر بدی سے نفرت کرتے ہیں۔ ہماری عقل حق پر ایمان رکھتی ہے اور باطل کا انکار کرتی ہے۔ ہمارے بازو، ایک اللہ کے ساتھ، اور دوسرا قوم کے ہمراہ ہے۔

ہمیں دائمی امت ہیں! ہمارا ایمان دین پر ہے تاکہ دنیا خوشگوار اور باغ وبہار بن جائے۔ ہم دین کی خدمت کے لئے دنیا حاصل کرتے ہیں۔ ہم دین ودنیا کو جوڑ کر چلتے ہیں۔ تاکہ زندگی خوش بختیوں کی گہوارہ بن جائے۔ اور آخرت میں کامرانی ودوام مل جائے۔

ہمیں دائمی امت ہیں! ہمارے جسم زمین سے وابستہ ہیں مگر ہماری روحیں آسمان پر گردش کرتی ہیں۔ ہمارے دل یاد الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور عقل پیغمبروں وعلماء کے احکام کی تعمیل کرتی ہے۔ ہم نے علم ودین میں اخوت قائم کی، اور دنیا وآخرت کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا۔ ہم حکمراں رہے اور اپنے انقلاب انگیز اصول کو عملی جامہ پہنایا۔

ہمیں دائمی امت ہیں! ہمارے بچوں میں بہادری وجانبازی ہے۔ ہمارے مردوں میں شہ سواروں اور اولوالعزموں کی فراخدلی اور عزت نفس ہے ہمارے جانبازوں اور بہادروں میں عظمت و پائندگی کے اوصاف ہیں۔ ہماری خواتین پھول جیسی نازک ومشکبار، فرشتوں جیسی پاکیزہ اور نسیم صبح جیسی سبک ونرم خو ہیں۔

ہمیں دائمی امت ہیں! ہم جب دنیا کے حکمراں ہوتے ہیں تو امن وسلامتی کی بہار آجاتی ہے۔ ہم پر جب مصیبتیں آتی ہیں تو اسے صبر وتبسم سے جھیل جاتے ہیں۔ ہم جب رسوائی وخواری سے دوچار ہوتے ہیں تو تیزی سے اپنا دامن اس سے جھاڑ لیتے ہیں۔ ہم ظلم کا شکار ہوتے ہیں تو اسی کے بقدر جواب دے کر اسے روک دیتے ہیں۔

ہمیں دائمی امت ہیں! ہمیں دولت ملتی ہے تو ہم اتراتے نہیں ہیں اور طاقت وبرتری حاصل ہوتی ہے تو ظلم وزیادتی نہیں کرتے۔ کمزور ہوتے ہیں تو ذلت وخواری سے سر نہیں جھکاتے ہیں، پریشانی آتی ہے تو ناامید ومایوس نہیں ہوتے۔ راہ حق میں جام شہادت نوش کرتے ہیں، تو روتے اور نوحہ گری نہیں کرتے۔

ہمیں دائمی امت ہیں! نوجوانوں کا خون، مردوں وجوانوں کے لئے مشک وعنبر ہوتا ہے۔ دشمنوں کے تیر وخنجر ہمارے سینوں میں صبر وکامرانی کے نشان بن جاتے ہیں۔ عز وشرف کی راہ میں جانبازی وقربانی، عورتوں وبچوں کا ترانہ بن جاتی ہے۔

ہمیں دائمی امت ہیں! شہیدوں کے جنازوں کے جلوس ہمارے یہاں جشن وشادمانی کے منظر پیش کرتے ہیں۔ دشمن کی گولیوں اور توپوں کی گھن گرج، ہمارے کانوں میں طرب انگیز نغمے اور خوش آئند سُر محسوس ہوتے ہیں۔ خونریز طوفانوں کا سامنا کرنے کے لئے مائیں بچوں کو پالنے ہی میں صبر واستقامت کی تلقین اور پامردی وثابت قدمی کے سبق یاد کرادیتی ہیں۔ ہمیں دائمی امت ہیں۔

آنکھوں کی جانچ اور چشموں کا ایک قابل اعتماد مرکز

چشمہ ساگر

ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے

Auto Refractor Meter AR-860

فوٹو کرائک ☆ کوٹیڈ لینس ☆ ہائی انڈیکس ریزی لینس

فینسی پاور اور دھوپ کے چشمے

ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشین: اے رحمان (علیگ)

۲۱۲، معتبر گنج، اعظم گڑھ، فون 222008

ادب اسلامی

(رابطہ کے کلکتہ اجلاس میں پیش کردہ ایک رہنما مقالہ)

اسلامی ادب پر اسلامی تہذیب کے اثرات

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

زیر نظر مضمون تاخیر سے موصول ہونے کی وجہ سے ترتیب میں شروع کے صفحات میں شامل نہیں کیا جاسکا، جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

ادب کا میدان کار، ہمارے اردگرد کا یہ عالم، ہماری متنوع زندگی اور پھر خود ہماری ذاتی شخصیت ہے، یہ تین کارگاہیں، ان کی اہمیت وحقیقت کے بارے میں انسانوں کے تصورات مختلف ہیں اور اس اختلاط کی اساس خدائے کائنات، اور زندگی کے بارے میں انسانوں کے تصورات کا اختلاف ہے، مذہب کے حامل لوگوں کے تصورات علحدہ اور مذہب سے باغی لوگوں کے تصورات علحدہ ہیں، دنیا پر جب سے یورپ کے صنعتی اور فکری انقلاب اور فلسفوں اور افکار کا اثر پڑا، متمدن دنیا کے ذہن میں ایک خاص تبدیلی آئی، یورپ مذہب سے باغی ہوا تو اس نے اپنے اثر وطاقت سے تصورات کی مذہبی اساس کو بہت نقصان پہنچایا اور طرح طرح کے آزاد فلسفے اور نظریئے پیدا کئے جو نہ تو ہمارے مذہبی تصورات سے ہم آہنگ تھے اور نہ ہمارے مشرقی ذہن سے، جب خدائے کائنات اور انسان کے بارے میں خیالات میں تبدیلی آئی تو فطری طور پر ادب میں جس کا دائرہ عمل انہی سے متعلق ہے، تبدیلی آئی، اور اس میں طرح طرح کے نظریئے وجود میں آئے، جن کا سرا خدائے کائنات اور انسان کے بارے میں یورپ کے علحدانہ تصورات سے ملتا ہے۔ اس طرح موجودہ دنیا پر یورپ کے سیاسی اور فکری تسلط کے نتیجہ میں ادب وثقافت کی قدروں میں تبدیلی کا ایک ایسا مسئلہ قائم ہوا جس سے بہت سے خاکے ٹوٹ گئے، اور نئے خاکے بنے، اور ادباء نے اپنے نئے نئے گھروندے بنائے، جو کلاسیکیت اور اس کے بعد رومانیت اور متعدد نظریات سے گزرتے ہوئے، جدیدیت کی نئی شکلوں کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے، ان کے سلسلہ میں ہم جو بھی رائے قائم کریں لیکن ہمارے مشرق کو اور خاص طور پر مسلمانوں کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ ادب کے اسالیب اختیار کرنے میں اور اس کی نظریاتی بنیادیں قائم کرنے میں جو بھی تنوع اختیار کیا جائے اس میں خدائے کائنات اور انسان کے بارے میں ہم کو آسمانی رہنمائی کی پابندی کرنا ہے، اس کا دامن نہیں چھوڑنا ہے، بالفاظ دیگر ادب کو حق وانصاف سے، اور انسانوں کو خدا سے دور اور ہوا وہوس کا شکار نہیں بننے دینا ہے، اس ضرورت کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہمارے پاس اسلام کے بتائے ہوئے اصول سب سے اعلیٰ اور مطابق ضرورت اصول ہیں، جن میں ادب کو پوری حریت ووسعت عطا کرنے کے ساتھ خدا بیزاری، انسان آزاری اور خواہش نفس کی غلامی پر پابندی لگائی گئی ہے، ہمیں پابندی قبول کرنا ہوگی، ورنہ ہم پورے عالم کے انسانی نظام کو ایسا نقصان پہونچانے کا باعث بنیں گے جس کی تلافی آسان نہ ہوگی، یہی وہ دعوت ہے جس کو ادب اسلامی کا عنوان ہم دیتے ہیں۔

ادبی کام ایک قسم کا ذہنی کام بھی ہے، جس میں ایک دل ودماغ سے دوسرے دل ودماغ تک پیغام رسانی کی جاتی ہے، خواہ وہ شاعری کا دائرہ کار ہو یا خطابی وافسانہ نگاری اور دیگر نثری اصناف کا ہو، لیکن وہ کوئی خشک فکری کام نہیں، اس میں علمی تحقیقی اسلوب کو اصل ذریعہ نہیں بنایا جاتا، بلکہ اس میں پر اثر تعبیری انداز اختیار کیا جاتا ہے، اس تعبیری انداز کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں، ان میں کبھی وجدان انسانی کو متاثر کرنے والے فقروں سے کام لیا جاتا ہے ورنہ کبھی خود معنی ومضمون کے شگفتہ وپرکشش ترتیب وانداز سے، گاہے بات کو پھیلا کر اور گاہے مختصر انداز سے، پھر مخاطب کے فطری احساسات اور جذبات کی نفسیاتی رعایت سے کام لیا جاتا ہے۔

ان ذرائع کی رعایت کے ساتھ جو بات بھی کہی جاتی ہے، خواہ واقعاتی ہو خواہ ذہنی، ادب کے زمرہ میں داخل ہوجاتی ہے، اور ان ذرائع اور طریقوں کے فرق سے ادب کی چند در چند راہیں بن جاتی ہیں، بالآخر ادب زندگی کے تمام معاملات کی ترجمانی کو موثر بنانے کا سب سے کامیاب اور وسیع طریقہ بن جاتا ہے۔

ادب دراصل انسان کے وجدان سے بنتا ہے اور انسان کے وجدان کو متاثر کرتا ہے، وجدان کی طاقت وصلاحیت اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہر انسان کو دی ہے، خواہ وہ محقق ومفکر ہو، اور خواہ جاہل وعامی، اس کی وجہ سے ادب کا دائرہ کار بھی بہت وسیع ہے، اسی لئے ادب کے ذریعہ کبھی مخاطب کے وجدان کو صرف لطف ولذت دینے کا کام لیا گیا، کبھی محض اپنی مرضی کے خیال کو جاگزیں کرنے کا مقصد حاصل کیا گیا، اور کبھی مخاطب کے کسی انسانی تقاضے کی رعایت میں تسکین کا سامان کیا گیا، کبھی اس سے اصلاح عوام کا کام لیا گیا، اور پوری پوری قوم میں تبدیلی لے آئی گئی، یا اس کو ایک بالکل نئے یا متضاد رخ پر ڈال دیا گیا، اور اس سے

غیر ملکی طاقتوں کو مبغوض بنا کر مطرود کرنے کا کام لیا گیا۔ اس طرح ادب ایک طاقت ہے، ایک اثر انگیز ذریعہ ہے ایک انسانی تقاضہ کا فطری جواب ہے۔

ادبی انداز کلام کا آغاز اصلاً عبادت گاہوں میں اور پروردگار عالم کے سامنے مناجاتوں اور دعاؤں سے ہوا، اور پھر زندگی کے مختلف گوشوں میں پھیلتا چلا گیا، اب یہ کہنا کہ اس کا تعلق مذہبی زندگی اور عبد و معبود کے مابین تعلقات سے نہیں ہے، بڑی حقیقت ناشناسی اور زیادتی ہے، لیکن یہ زیادتی اور حقیقت ناشناسی مذہب بیزار یورپ نے چلائی اور پھیلائی ہے۔

یورپ میں انقلاب فرانس کے بعد جو تحریکیں اٹھیں، وہ دراصل یورپی ممالک کے سیاسی و مذہبی حالات و سخت ظالمانہ طریقہائے کار کا ردعمل تھیں، اور کسی کے ردعمل میں منفی اثرات غالب ہوتے ہیں، چنانچہ یورپ میں اٹھنے والے ردعمل نے سیاسی نظام کو بالکل الٹ پلٹ کر رکھ دیا، اور مذہبی دائرے کو تنگ کر کے گرجا کی چار دیواری کے اندر محدود کر دیا، اس کے بعد یورپ کے اہل فکر و ادب کا جو ذہن بنا، اسی کے لحاظ سے اس نے دنیا کے دیگر نظامہائے حیات کو دیکھا، اس نے اسلام کو بھی مسجد کو چار دیواری کے اندر بند کرنے کی کوشش کی، حالانکہ دونوں کے درمیان فرق یہ تھا کہ یورپ نے رہبانیت کو اپنی اساس بنا رکھا تھا، جو کہ زندگی کے فطری تقاضوں سے جگہ جگہ ٹکراتی تھی، لیکن اسلام میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے، لیکن ہمارے مغربی مفکرین کے یہاں نہ اتنی وسعت تھی کہ دوسروں کو ان ہی کے فکر و عمل کے دائرے میں رکھ کر دیکھیں اور نہ صلیبی جنگوں کے اثر سے وہ اپنے ذہنوں کو اتنا آزاد کر سکے کہ وہ اسلام کا مطالعہ رواداری اور غیر جانبداری کے ساتھ کر سکیں، پھر مصیبت بالائے مصیبت یہ ہوئی کہ یورپ کے سیاسی، فکری و ثقافتی غلبہ نے مشرقی ذہنوں کو بھی اپنے سانچے میں ڈھالا، حتیٰ کہ بہت سے مسلمانوں کے ذہن بھی یہی سمجھنے لگے کہ اسلام میں بھی مذہب کا زندگی کی وسعتوں سے کوئی جوڑ نہیں ہے، حالانکہ یورپ میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کی خواہ سماجی پہلو ہوں، سیاسی یا دیگر، جو گنجائش ہے اس اسلامی شریعت کا ادنیٰ مطالعہ کرنے والا بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے مذہب اور زندگی کے مختلف شعبوں کے مابین جو علمی وابستگی ہے، وہ کسی واقف کار سے مخفی نہیں ہے، اسی لئے جب ہم ادب کے ساتھ ساتھ اسلام کی نسبت اختیار کرتے ہیں تو تعجب پیدا کرنے والا کوئی کام نہیں کرتے۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ادب کا اسلام سے قریبی ربط ہے، اور اسلام نے ادب کے ساتھ اپنائیت کا رویہ رکھا ہے، پروردگار کے دربار میں عرض معروض ہو تو ادبی خوبی کے ساتھ اس کے برگزیدہ بندے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرمائیں اور مخاطبت اختیار کریں تو ادبی طاقت و اثر کو اپناتے ہوئے، اور اس عظیم اور مقتدی انسان کو نذرانہ عقیدت پیش کیا جائے اور اس کی خوبیوں کا تذکرہ کیا جائے تو شعر و ادب کا ذریعہ اختیار کرتے ہوئے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ پیرایہ بیان کی خوبی اہمیت خود قرآن مجید کی کئی آیتوں سے ثابت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ "خلق الانسان علمہ البیان" (کہ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو قوت بیان یعنی اچھا پیرایۂ کلام سکھایا) اور قرآن مجید کے پیرایۂ بیان کی خوبی بتاتے ہوئے فرمایا کہ "وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین۔ علی قلبك لتكون من المنذرین۔ بلسان عربی مبین" (اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ (جبرئیل) لے کر آیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر صاف عربی زبان میں، تاکہ آپ بھی منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں) اور اپنے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء کرام کے متعلق فرماتا ہے کہ "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم" (کہ ہم نے جب کوئی رسول بھیجا تو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اچھے پیرایہ میں ان کے سامنے بات رکھ سکے) اور خود قرآن مجید میں صاف و دلنشیں اور اثر انگیز پیرایہ میں بات کہی گئی ہے۔

انسانی زندگی بہت متنوع ہے اور وہ احساسات و جذبات کی آماجگاہ ہے، اسلام دین فطرت ہونے اور انسان کی فطری ضرورت کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے زندگی کے تمام پہلوؤں کی رعایت رکھتا ہے ادب کا کام زندگی کی ترجمانی ہے، ادب الفاظ کے ذریعہ زندگی کے احساسات کی عکاسی کرتا ہے، لہٰذا ہم جب ادب کیساتھ اسلامی کا لفظ وابستہ کرتے ہیں تو یہ بتانے کے لئے وابستہ کرتے ہیں کہ اسلام کے جائز کئے ہوئے وسیع دائرہ زندگی میں کسی بھی امر کیلئے جو الفاظ مؤثر و کامیاب ترجمانی کر سکیں، ان کیساتھ جو ادب ہو وہ اسلام کا ہوتا ہے، اس طرح ادب اسلامی محض دعوتی دائرہ میں یا محض وعظ و نصیحت کے اندر محدود نہیں اس کا دائرہ صحت مندانہ اور اسلام کی طرف سے جائز کردہ زندگی کے تمام احساسات کی ترجمانی کا ہے، شاعری ہو، مدح سرائی ہو، غزل ہو یا مرثیہ گوئی ہو، اور نثر میں افسانہ ہو ناول ہو یا کوئی انشائیہ ہو خطبہ ہو یا خطوط ہوں وہ سب ادب ہونے کے ساتھ اسلامی دائرہ کے اندر سمانے کے لائق ہونے پر صفت اسلامی سے متصف ہونے کے مستحق

ہو جاتے ہیں، اس کے نمونے مسلمانوں کی تحریروں اور تقریروں کی طویل تاریخ میں بہت ملتے ہیں اور ان سے مسلمانوں کی زندگی پر اچھے اثرات بھی پڑے ہیں اور ان سے نوخیز ذہنوں اور مزاجوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ اسلام میں ادب کی سرپرستی اور ہمت افزائی اہل علم و اہل ذوق نے تو کی ہی ہے، اہل دین نے بھی کی ہے، قرن اول میں بھی ادب سے دلچسپی کی مثالیں خاصی ملتی ہیں اولاً تو اس کی سرپرستی قرآن و حدیث سے ہوئی ہے، جس کی مثالیں ہم کو اچھی خاصی ملتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں جہاں ایک طرف مناجاتیں اور دعائیں ہیں وہاں دوسری طرف قابل قدر اشخاص اور محبین کے ساتھ محبت و تعلق کے بلیغ جملے ہیں اور اغیار سے گفتگو میں جو کلام فرمایا ہے اس میں موقع و محل کی نزاکت کا مؤثر لحاظ ہے، آپ نے ایک بچہ سے جس کا پالتو پرندہ مر گیا تھا، پیار و شفقت کے لہجہ میں لیکن الفاظ کے صوتی حسن کے ساتھ فرمایا یا عمیر ما فعل نغیر؟ ارے عمیر تمہارا بلبل کیا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی کمزوری و نزاکت کی رعایت میں ان کی سواری اٹھانے والے سے لطیف استعارہ کے پیرایہ میں فرمایا "یا انجشہ رفقا بالقوارير" ارے انجشہ آبگینوں کے معاملہ میں نرمی برتو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبدالقیس سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلۂ قریش کی نظر میں اغیار تھے ملاقات کے لئے آنے پر زیادہ دلداری اور ملاطفت کا اظہار مؤثر و دلنواز اسلوب میں بیان فرمایا۔ "مرحبا بالقوم غير خزايا ولا ندامى" "آپ لوگوں کو بہت بہت خوش آمدید" آپ کو کوئی بے احترامی کا معاملہ نہیں ملے گا اور نہ آپ کو آنے پر افسوس ہوگا، صاحبزادے کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبۂ انسانی بلکہ احساس پدری کی عکاسی کرنے والے اسلوب میں فرمایا "ان القلب يحزن والعين تدمع۔ ولا نقول الا ما يرضى الرب وانا على فراقك يا ابراهيم لمحزونون" دیکھئے کس قدر دل پر اثر ڈالنے والا اسلوب ہے فرمایا (دل غمزدہ ہے آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے خدا راضی ہو ہم تمہاری جدائی پر اے ابراہیم یقیناً غمزدہ ہیں) اس سب کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے متعدد موقعوں پر ایسے جملے نکلے جو کہاوت اور مثل بن گئے اور آج تک ضرب الامثال کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور خطاب کو دیکھئے تو وہاں ادبی حسن و تاثیر کی بڑی چھاپ ملتی ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات انصار سے مؤثر خطاب حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دل نشیں تشریح جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال دے کر کی کہ برا کام کرنے والوں کو اگر ان کے رفقاء نے ان کے برے کام سے نہ روکا تو ان کی ایسی مثال ہوگی کہ کسی دو منزلہ کشتی پر اوپر بیٹھے لوگ نچلی منزل میں بیٹھے لوگوں کو اگر دیکھیں کہ وہ دریا سے پانی لینے کے لئے اپنی منزل کے پیندے میں سوراخ کر رہے ہیں اور وہ دوسروں کی مصیبت سمجھ کر اگر سوراخ کرنے والوں کو نہ روکیں گے تو دونوں منزل کے سوار تباہ ہو جائیں گے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رہنمائی کی وضاحت کرتے ہوئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کے لئے لائے پھر کچھ لوگوں نے مانا، اور کچھ لوگوں نے نہ مانا آسان اور دل نشین اسلوب میں مثال دیتے ہوئے کہا کہ بارش کا پانی زمین پر بہتا ہے مقامی زمین کو سیراب کرتے ہوئے دور کے لوگوں کو بھی بہرہ کر پہونچتا ہے، اس طرح دونوں زمینوں کو فائدہ پہونچاتا ہے، لیکن کچھ زمین سپاٹ پتھر کی طرح ہوتی ہے، پانی سے فائدہ نہیں اٹھاتی بلکہ ادھر ادھر بہا کر ضائع کر دیتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال سے ان زمینوں کو حقیقی فائدہ اٹھانے والے اور اس علم کو ضائع کر دینے یا ناقابل قبول سمجھنے والوں سے بڑے سہل اور بلیغ انداز میں تشبیہ دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مطہرہ کی دلداری کے لئے ان سے دلچسپ اور ادبی زبان میں ایک تبصرہ سنا جس میں متعدد بیویوں نے اپنے اپنے شوہروں کے بارے میں اظہار رائے کیا تھا وہ تبصرہ حدیث ام زرع کے نام سے حدیث کی کتابوں میں موجود ہے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اپنی سواری پر شریک سواری سے جاہلیت کے دور کے ایک شاعر کا کلام کہہ کہہ کر سنا، کلام اچھا اور دین کی حمایت میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ ان اشعار کے شاعر کی زبان نے اسلامی مزاج کے مطابق کام کیا لیکن اس کا دل کافر ہی رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن زہیر سے اپنی مدح میں قصیدۂ مدحیہ سنا اور باوجود اس کے کہ اس کے قصیدہ میں جاہلی دور کا پورا انداز تھا، لیکن وہ نیا نیا مسلمان ہو رہا تھا اس کو اسلام کا تقاضہ اور طرز معلوم نہ ہو سکا تھا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سنا ہی نہیں بلکہ اس پر انعام بھی دیا، اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے کہنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، بلکہ مسلمان ہو جانے والے شاعروں کو اپنی شاعری دین کی حمایت میں استعمال کرنے کا حکم دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود

شاعری نہیں کی لیکن نثر میں بڑی بلاغت اور ادبیت ظاہر فرمائی، آپ نے انسانی سرشت بتاتے ہوئے ایک بار ایک واقعہ قصہ کی شکل میں اور سہل انداز میں بیان کیا اس قصہ میں ایک نابینا ایک گنجے اور ایک کوڑھی کے طرز عمل کا تذکرہ فرمایا اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کی انسانی فطرت واحساسات اور نفسیاتی حال کی عکاسی آپ کے کلام بلاغت نظام میں بکثرت ملتی ہیں جو ہم کو متوجہ کرتیں ہیں کہ ادب اسلام سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، لیکن وہ اسلام کے سایہ میں صحت مندانہ انداز سے چلتا اور کام کرتا ہے، اور ہماری مراد اسلامی ادب سے وہی ادب ہے جو زندگی کی رہنمائی انسان کی صحت مندانہ مصلحتوں اور تقاضوں کے مطابق کرتا ہو اور باوجود تنوع اور وسعت کے صحت مندانہ دائرہ سے باہر نہ چلا جائے، ایسا ادب نہ صرف مسلمانوں کی ضرورت ہے بلکہ تمام انسانوں کی ضرورت ہے، وہ انسانی قدروں کا محافظ اور انسانوں کی خوشی ورنج میں باعث مسرت غمگسار الم بھی ہے اس کی سرشت اسلامی ہے مذاق انس وہمدردی ہے، دائرہ کار میں زندگی اور پوری انسانیت کو عہد نبوت سے شروع ہوکر آئندہ مستقبل کے اندر دور تک ملا ہوا ہے۔

ہم کو کسی بھی ادبی نمونہ کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کی تعیین کے لئے ان وسعتوں اور احتیاطوں کے دائرے میں رکھتے ہوئے دیکھنا ہوگا جو ہم کو اسلام کی طرف سے واضح رہنمائیوں میں بتائی گئی ہیں وہ ادبی نمونہ جس قدر ان سے مطابقت رکھتا ہوگا اسی قدر اس کو اسلام کے نقطۂ نظر سے صحیح سمجھا جائے گا، اور جس قدر ان سے گریزاں ہوگا اسی قدر اس کو اسلامی نقطۂ نظر سے دور سمجھا جائے گا۔

مکہ کے ایک شاعر جو مذاہب کی تعلیمات سے واقفیت کے اثر سے جنت، دوزخ، آخرت، خدا اسکی رضا جیسے خیالات سے واقف ہوگئے تھے اور اپنی شاعری میں ان کا تذکرہ کرتے تھے لیکن اس سے ان کو ایسی ضد ہوئی کہ ان کی بری طرح مخالفت کرنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے ایک رفیق سفر سے ان کے اشعار سنانے کی فرمائش کی اور بار بار فرمائش کر کے سنتے رہے، پھر فرمایا کہ "آمن لسانہ و کفر قلبہ" ان کی زبان نے تو ایمان والی باتیں کہیں لیکن ان کا دل ایمان نہ اختیار کر سکا۔ اسی طرح ایک شاعر مسلمان ہوئے اور انھوں نے ایک نظم کہی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور شاعرانہ مضمون کے ساتھ اپنی بڑائی کا بھی تذکرہ کیا، یہ نظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی، آپ نے اس کو خوش اخلاقی کے ساتھ سنا، اس نظم میں ایک شعر ایسا آیا جس میں تعلّی کا انداز حدود بشریت سے آگے بڑھا ہوا محسوس ہوتا تھا، شعر یہ تھا کہ

بلغنا السماء مجدنا وجدودنا
وانا لنرجو فوق ذلك مظهرا

کہ ہماری عزت وعظمت آسمان تک پہونچ چکی ہے، اور اب ہم امید کرتے ہیں کہ اس سے بھی آگے جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کو خدا تعالیٰ کے مقام سے گستاخی کا شبہ کرتے ہوئے ٹوکا، لیکن آپ نے اچھے انداز میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہاں تک پہونچنے کا قصد ہے اے ابو لیلیٰ (ابولیلیٰ شاعر کی کنیت تھی) انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ یارسول اللہ جنت تک۔ آپ اس جواب سے مطمئن ہوگئے کہ ان کے کلام میں شان خداوندی سے برابری دکھانے کی شوخی نہیں ہے۔ آپ کا ان کے اشعار خوش اخلاقی سے سننا پھر ایک شعر میں جو ایک شک پیدا کرنے والا مضمون محسوس ہوا، اس پر ٹوکنا ایک رہنمائی کا ذریعہ بن گیا، کہ شاعر کو فخر کرتے ہوئے کن حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔

اسلام نے مسلمانوں کا جو ذہن بنایا تھا اور ان کے خیالات، امنگوں اور حوصلوں کو اس کے دائرے کا پابند کیا وہ ذیل کے ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے، وہ یہ تھا کہ ایام جاہلیت کے اصولوں میں یہ بات تھی کہ آدمی اگر اپنے خاندان کا یا اپنی پارٹی کا ہے تو وہ اچھا ہے، آنکھ بند کر کے تائید ومدد کا حقدار ہے، اور قابل محبت وتعلق ہے، لیکن اگر وہ مخالف خاندان یا کیمپ کا ہے تو خواہ وہ حق پر ہو، رواداری کا مستحق نہیں، چنانچہ یہ فقرہ محاورہ بن کر رائج ہوگیا تھا کہ اپنے آدمی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم، اسی کے مطابق جاہلیت کا شاعر کچھ لوگوں کی تعریف میں کہتا ہے کہ۔

لایسالون اخاهم حین یندبهم
فی النائبات علی ماقال برهانا

کہ یہ لوگ جب حوادث جنگ پیش آتے ہیں تو اپنے بھائی سے یہ نہیں پوچھتے کہ تم جنگ میں شرکت کے لئے بلا رہے ہو تو کس بات پر جنگ ہے، یعنی آنکھ بند کر کے مدد کرتے ہیں۔

اور ایک شاعر کہتا ہے۔

وما انا الا من غزیة ان
غوت غویت وان ترشد غزیة ارشد

کہ میں تو قبیلہ غزیہ سے ہوں وہ خراب کام کریں گے تو میں بھی خراب کام کروں گا، وہ اچھا کام کریں گے تو میں بھی اچھا کام کروں گا۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت

وانصاف پسندی کی تعلیم دیتے ہوئے اس ذہنیت سے منع فرمایا، اس طرح مسلمانوں کے لئے یہ رائج فقرہ ناقابل قبول ہوگیا، لیکن کچھ عرصہ بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ استعمال فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم صحابۂ کرامؓ کا چونکہ آپ ذہن بدل چکے تھے، انھوں نے فوراً سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم کی مدد کرنا تو ہم سمجھتے ہیں لیکن ظالم کی مدد کیسے ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا ظالم کی مدد اس طرح ہوتی ہے کہ اس کو ظلم سے روکو، اس طرح آپ نے اسلامی ذہن کے لئے وہ حدود بتادیئے جہاں تک مسلمان جاسکتا ہے اور جہاں سے اس کو آگے نہ بڑھنا چاہئے۔

مسلمان کو خواہ ادیب ہو خواہ شاعر ہو ان سرحدوں کو جاننا ہوگا، اور ان کی پابندی کرنی ہوگی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں جن کو آپ کی توجہات ورہنمائی ملی تھی، شاعر بھی تھے اور ادیب بھی، وہ اسلام کی بتائی ہوئی وسعتوں ہی میں اپنے ادب وشاعری کو چلاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو اجازت بلکہ تائید حاصل رہتی ان کی شاعری کی وسعتوں میں مدح بھی تھی اور مرثیہ بھی، غزل بھی تھی اور ہجو بھی، واقعہ بیانی بھی تھی اور احساسات کا اظہار بھی، لیکن ان سب میں رعایت بھی انسانی قدروں اور اسلام کی حدوں کی ان کی اس احتیاط کو اس عہد کے مقتدر اسلامی شاعر حضرت حسان بن ثابت الانصاری کے اس جملہ سے سمجھا جاسکتا ہے جو انہوں نے اس موقع پر کہا جب قریش کے بعض ایسے افراد کے طرف سے جو حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز تھے، آپ کی ہجو کرنے کے جواب دینے کے ارادہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ تم ان لوگوں کی مذمت کیسے کروگے جب کہ میں خاندانی طور پر انہیں میں سے ہوں، اس پر انہوں نے کہا کہ میں آپ کو ان میں ایسا نکال لوں گا جیسے گیلے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔

اچھی اور موثر زبان میں مختلف رعایتوں کے ساتھ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کی ہجو کی اور خوب کی اور انہوں نے اپنے ایک دوسرے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے کہا۔

فان ابی ووالده وعرضی
لعرض محمد منکم وقاء

"بلاشبہ میرے باپ اور میرے دادا اور خود میری آبرو یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لئے تمہارے حملہ کو رد کرنے کے لئے سینہ سپر ہیں"۔

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دفاع اور ان کے بدخواہوں کی بدخواہی کے مقابلہ کیلئے اپنی شاعرانہ صلاحیت کو خوب خوب استعمال کیا اور اپنے فنی ہنر کا اظہار کیا، انہوں نے اپنی شاعری میں زور پیدا کرنے کے لئے غزل کی اصطلاحیں اور تعبیریں بھی فصاحت وجدت طرازی کے ساتھ استعمال کیں، اور چونکہ وہ معقول حدود سے باہر نہ تھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، بلکہ ہمت افزائی فرمائی، بلکہ ایک موقع پر آپ نے یہ فرمایا کہ اسلام کی نصرت تلوار اور تیر سے کی جاتی ہے شعر وشاعری سے بھی کی جانی چاہئے، حضرت حسانؓ اپنی اس سخن گوئی کی بنا پر شاعر الرسول کہلائے، اشعار کے اندر جذبہ واحساس وتاثر کی جو ترجمانی ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کے صحیح انداز میں پورا محسوس کرتے تھے۔

اس کی اہم مثال وہ اشعار ہیں جو آپ کے قریشی عزیز کو ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی بناء پر ان معافیوں میں شامل نہ کئے جانے پر جو فتح مکہ کے موقع پر عام طور پر دے دی گئی تھیں، قتل کردئے جانے پر ان کی بہن نے کہے تھے اور ادب میں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے رنج والتجا کا مؤثر انداز اختیار کیا تھا، ان کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تاثر کا اظہار فرمایا کہ یہ اشعار اگر پہلے سنے ہوتے تو رعایت کردیتے۔

نثر کا دائرہ قرآن مجید کے نازل ہونے سے قبل عربوں میں بہت محدود تھا، قرآن مجید کے اثر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ذریعہ وسیع ہوا، اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی ادبیت کا اظہار ہوا، آپ اس میں تمام دیگر عربوں کے لئے معلم ورہبر نظر آتے ہیں، آپ کی تقریریں گفتگوئیں، تذکرے، اظہار تاثر، دعائیں ومناجاتیں عربی کا بہترین ذخیرۂ ادب ہیں، اور آپ کے زمانہ اور آپ کے زمانہ کے بعد کی نثر پر آپ کے ادب کی نمایاں چھاپ ملتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اقسام کلام میں آپ کے یہاں بھی تنوع ملتا ہے مثلاً زن وشو کے آپسی تبصروں پہ بھی ایک گفتگو آپ کے اور آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ہوئی تھی جو آپ نے بیان فرمائی اور وہ حدیث میں محفوظ ہے، اس میں اس خاص گوشہ ادبی کی بھی نمائندگی ملتی ہے، یہ حدیث ام زرع کے نام سے موسوم ہے۔

بہر حال اسلامی ادب کو ایک محدود مجبور ادب محسوس کرنا صحیح نہیں ہے، اسلام کو صرف عبادت اور ترک دنیا کا مذہب سمجھنے والے ہی ایسا سمجھ سکتے ہیں، لیکن جو اسلام کو زندگی کی وسعتوں کا دور تک ساتھ دیتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ اس کے مجبور ومقید سمجھنے کی غلط فہمی میں نہیں پڑ سکتے۔ ☆☆☆

متاعِ قلم

صفحۂ کاغذ پہ جب موتی لٹاتا ہے قلم
ندرتِ افکار کے جوہر دکھاتا ہے قلم

آنکھ کی جھپکی میں ہو جاتا ہے تیغِ بے پناہ
آنِ واحد میں حریفوں کو جھکاتا ہے قلم

آندھیوں کا سیل بن کر عرصۂ پیکار میں
زلزلوں کے روپ میں محلوں کو ڈھاتا ہے قلم

دوستوں کے حق کا پشتیباں خود اپنے زور پر
دشمنوں پر دشنۂ و خنجر چلاتا ہے قلم

بندگانِ علم و فن کی خلوتوں کا آشنا
ان کے فکر و فہم کی باتیں سناتا ہے قلم

یادگاروں کا محافظ تذکروں کا پاسباں
گم شدہ تاریخ کے اوراق لاتا ہے قلم

محفلوں میں عشق اس کے بانکپن کا خوشہ چیں
محملوں میں حسن سے آنکھیں لڑاتا ہے قلم

شاعروں کے والہانہ زمزموں کی آبرو
دانش و حکمت کی راہوں کو سجاتا ہے قلم

اہلِ دل، اہلِ سخن، اہلِ نظر، اہلِ وفا
ان کے خد و خال کا نقشہ جماتا ہے قلم

برق بن کر ٹوٹتا ہے خرمنِ اغیار پر
دوستوں کے نام کا ڈنکا بجاتا ہے قلم

ہم نے اس کی معرفت دیکھا ہے عرش و فرش کو
آسمانوں کو زمینوں سے ملاتا ہے قلم

زندہ جاوید ہو جاتے ہیں اس سے معرکے
حشر کے آثار قوموں میں اٹھاتا ہے قلم

کانپتے ہیں اس کی ہیبت سے سلاطینِ زمن
دبدبہ فرماں رواؤں پر بٹھاتا ہے قلم

حافظ و خیام و سعدی، غالب و اقبال و میر
ماضیِ مرحوم میں ان سے ملاتا ہے قلم

شہسواروں کے جلو میں ہفتمیں افلاک پر
سربکف اسلاف کے پرچم اڑاتا ہے قلم

کیسی کیسی منزلوں میں رہنما اس کے نقوش
کیسے کیسے معرکوں میں دندناتا ہے قلم

شاعری میں اس سے قائم ہے خمِ گیسو کی آب
نثر میں اعجاز کے تیور دکھاتا ہے قلم

قطع کرنی پڑتی ہیں فکر و نظر کی وادیاں
تب کہیں شورشؔ مرے قابو میں آتا ہے قلم

﴿شورشؔ کاشمیری﴾

دارالعلوم میں عرب علماء ودانشوروں کی آمد

اور طلبۂ ندوہ سے ان کا خطاب

محمد اعظم ندوی جمشید پوری

ندوۃ العلماء کے جمالیہ ہال میں ۱۷ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۸ر فروری ۲۰۰۵ء کو کویت کے متعدد مہمانان گرامی ڈاکٹر مصطفیٰ طحان، شیخ نادر النوری، اور شیخ عبدالحمید بلالی کی تشریف آوری پر طلبہ کی عربی انجمن ''النادی العربی'' کی جانب سے ایک استقبالیہ دیا گیا، جس کی صدارت حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء نے فرمائی، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم اور مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی بھی رونق افروز تھے اس موقع سے عرب مہمانوں نے طلبائے ندوہ سے خطاب کیا۔

شیخ عبدالحمید بلالی نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اسلام میں ہمسایوں کے حقوق کی ادائیگی میں ہم سے غفلت ہورہی ہے، اسلام کا پیغام برادران وطن تک پہنچانا بھی حق ہمسائیگی میں داخل ہے ہمیں اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم عربوں کی بہ نسبت اس سلسلہ میں آپ ہندی نژاد مسلمانوں کی ذمہ داری دو چند ہے، چونکہ آپ برادران وطن سے قریب تر ہیں، ان کے مزاج و مذاق اور طرز معاشرت سے واقف ہیں، اس مبارک اقدام کے بغیر آپ اپنی دعوتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، ندوۃ العلماء کے تعلق سے انہوں نے کہا کہ اس ادارہ میں آپ کا داخلہ محض ایک اتفاق نہیں بلکہ انتخاب خداوندی ہے، جن شخصیتوں کے دیدار کو ہماری نگاہیں ترستی ہیں آپ ان کے زیر سایہ علمی نشو ونما پا رہے ہیں، یہ مقام شکر ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ آپ اس ادارہ کا نام و پیام ساری دنیا میں عام کریں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ طحان نے خلافت عثمانیہ کے سقوط کی روداد اس درد و کرب سے بیان کی کہ ایک سماں بندھ گیا، انہوں نے کہا کہ ایک طرف ترکی میں خلافت کا سقوط ہوا تو دوسری طرف مصر میں شیخ حسن البنا شہیدؒ نے اخوان المسلمین کی تحریک شروع کی، ابتدا میں صرف چند کمزور و نحیف مزدور طبقہ کے لوگ ان کے شانہ بشانہ تھے، لیکن ان کے دل نور ایمان سے منور تھے، ان کا عزم سفر اتنا قوی تھا کہ کسی منزل پر ہار کر نہ بیٹھے، جہد مسلسل اور خون جگر دو ہی ہتھیار ان کے ساتھ تھے۔ پھر کیا تھا جہاں ان کی دعوت پہنچی لبیک کی صدا آئی، مغربی طاقتوں کو خدشہ ہوا کہ تحریک اخوان کا مقصد احیاء خلافت تو نہیں بس اس نے اس کی راہوں میں کانٹے بچھانے شروع کئے، اخوانی جانبازوں کو عبرتناک سزائیں دی گئیں، اور بالآخر تحریک کے سپہ سالار شیخ حسن البنا کو شہید کر دیا گیا، انہوں نے طلباء سے مخاطب ہو کر کہا کہ اسلام کا فروغ آپ کا مطمح نظر ہونا چاہیے، دعوت و جہاد سے صرف نظر کر کے ہم خدا کے یہاں کبھی سرخرو نہیں ہو سکتے۔

شیخ نادر النوری نے ندوۃ العلماء سے اپنی گہری عقیدت و محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی خدمات کو سراہا، انہوں نے کہا کہ شیخ سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کی ادارت میں ندوہ سے شائع ہونے والا عربی ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' اپنی متوازن فکر اور اعتدال کے لئے عالم عربی میں مشہور ہے، میں جب ثانوی درجات میں زیر تعلیم تھا اسی وقت سے اس میگزین سے استفادہ کر رہا ہوں، اور ذوق وشوق سے اسے پڑھتا ہوں انہوں نے طلباء کو توجہ دلائی کہ وہ ندوہ کی فکر سلیم کو اپنانے کی کوشش کریں۔

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے عرب مہمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کی دلآویز اور پرجوش تقریروں سے وہ منظر ہماری نگاہوں کے سامنے آ گیا، جب اسی ہال میں اسی اسٹیج سے مفکر اسلامؒ نے اخوان سے اپنی پہلی ملاقات کا تاثر پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''وہ مومن ہے جو اخوان سے محبت کرتا ہے اور وہ منافق ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے''، ناظم ندوۃ العلماء نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں یقین دہانی کرائی کہ ہمارے طلباء الحمدللہ صرف عربی خواں ہی نہیں، عربی داں بھی ہیں، انہوں نے آپ کی باتیں بغور سنی ہیں اور انشاء اللہ اس پر عمل پیرا ہوں گے۔

اخیر میں صدر جلسہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کہ بخدا ہمیں یورپ سے آنے والے کسی مہمان پر وہ خوشی نہ ہوتی جو آپ کی تشریف آوری سے ہوئی ہے، اور یہ محض اس لئے کہ آپ کا تعلق بلاد عربیہ سے ہے، جس کے ایک حصہ میں حرم پاک اور روضۂ نبوی ہے، انہوں نے کہا کہ عالم اسلام پر امریکہ کی یلغار کا واحد مقصد اسرائیل کی پشت پناہی اور اسکی بقا کی کوشش ہے۔ ☆

امریکہ میں اسلام کیسے پہونچا؟

دو مخلص مسلمانوں کی کوششوں سے ڈیڑھ لاکھ نیگرو مشرف بہ اسلام ہوئے

ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی

کام کا آغاز: نیویارک کے محلّہ "ہارلیم" میں جو خالص سیاہ فاموں کا محلّہ سمجھا جاتا ہے، ۱۹۳۱ء میں ایک مذہبی تحریک رونما ہوئی، اس تحریک کے بانی دو مخلص مسلمان تھے ان میں سے ایک صاحب خالص حبشی تھے جو شکاگو کے اصل باشندے تھے ان کا نام صوفی عبدالحمید تھا، دوسرے صاحب ایک مصری عالم تھے جو حافظ مندلی کے نام سے مشہور تھے، صوفی عبدالحمید نے امریکہ سے باہر شرق اوسط کے بعض ممالک میں بھی کچھ وقت گذارا تھا اور مذہبی تعلیم کے علاوہ عربی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی، حافظ مندلی بھی ایک بڑے عالم تھے، اسلامی علوم پر ان کی نگاہ بہت وسیع تھی۔

ان دونوں مسلمانوں نے نیویارک میں اسلامی دعوت کا علم بلند کیا، اور امریکہ کے بہت سے عیسائیوں کو اسلام کی دعوت سے روشناس کرایا اور ان کو اسلام سے قریب کرنے اور اس کی خوبیوں سے آشنا کرنے میں اپنی ساری صلاحیتوں کو صرف کرتے رہے، چنانچہ پتا جاتا ہے کہ امریکہ کے جتنے عیسائیوں نے اسلام قبول کیا ان میں سے اکثر کے مسلمان ہونے کا سہرا انہیں بزرگوں کے سر ہے۔

تین اسباب: اس تحریک کی کامیابی کے تین اسباب بتائے جاتے ہیں، (۱) اسلامی شریعت کے سارے اصول کا انتہائی آسان اور قابل فہم ہونا، جس کی وجہ سے اس پر غور کرنے والے کے لئے یقین کرنا بہت سہل ہو جاتا ہے۔ (۲) ہر امریکی کو اس بات کی پوری آزادی حاصل ہوتا کہ وہ مذہب کے معاملے میں بالکل آزاد رہے، جو مذہب اس کو پسند آئے اسے اختیار کرے۔ (۳) اسلامی برادری میں قومی اور وطنی تفریق کا نہ ہونا، ہارلیم میں رہنے والے حبشیوں کے لئے جو چیز سب سے زیادہ اسلام کی طرف مائل کرنے والی اور ان کو اپیل کرنے والی تھی، وہ مساوات اور اسلامی برادری میں کسی طرح کی قومی، وطنی، لسانی، جنسی تفریق کا نہ ہونا تھا۔

سادہ طریقۂ کار: اسلامی دعوت کی اس تحریک کے علمبردار ان دونوں بزرگوں کی تبلیغ کا طریقہ یہ تھا کہ صوفی عبدالحمید بازار یا کسی عام راستہ میں ایک منبر پر کھڑے ہو جاتے، اور دعوتی تقریر کا سلسلہ شروع کر دیتے، لوگ ان کی آواز سن کر کافی تعداد میں وہاں جمع ہوتے، جب مجمع بہت بڑا ہو جاتا تو حافظ مندلی قرآن کریم کی تعلیمات کا آغاز کرتے تھے، اور پھر یہ دونوں بزرگ لوگوں کو دینی وعظ میں شرکت کرنے کی دعوت دیتے، دینی وعظ اور درس کے لئے ان کا ایک مخصوص مرکز تھا وہاں لوگوں کو بلاتے تھے۔

زبردست کامیابی: چنانچہ پانچ سال کے قلیل عرصہ میں اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف مرکز کے درس اور وعظ میں مستقل شرکت کرنے والوں کی تعداد تین سو ہوگئی، جن میں سے ۲۴۰ دو سو چالیس افراد نے اسلام کی دعوت قبول کی اور مسلمان ہوئے۔

افسوس کہ ۱۹۳۷ء میں اسلامی تحریک کے بانی یہ دونوں ساتھی ایک ہی ہفتہ میں یکے بعد دیگرے چل بسے ایک ساتھی کا انتقال ہوائی جہاز کے حادثہ میں ہوا اور دوسرے نے ایک پیچیدہ بیماری میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

اس تحریک کے نتیجہ میں آج امریکہ میں صرف کالے مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے متجاوز ہے اور انجمن تحریک اسلامی کی شاخیں امریکہ کے ۱۸۰ اسی سے زیادہ بڑے بڑے شہروں میں موجود ہیں، اسی کے ساتھ شکاگو اور دیٹرویٹ میں اس انجمن کے دو بڑے تعلیمی مدرسے اور متعدد مسجدیں ہیں۔

آوازۂ حق بلند ہ میں: انجمن کی طرف سے شائع ہونے والے اخبار کا نام بھی اسلامی ہے، یعنی محمد کی آواز" یہ اخبار ناظرین کو دینی معلومات اور مسائل وغیرہ سے باخبر کرتا رہتا ہے۔

نیویارک یا شکاگو میں انجمن کا جب بھی کوئی بڑا جلسہ ہوتا ہے تو ہر طرف بڑے بڑے بورڈ لگے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں، جن پر "لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ" لکھا ہوتا ہے۔ امریکہ کے یہ مسلمان ضروریات زندگی میں استعمال ہونے والی چیزوں کو مسلمانوں ہی کی دکانوں سے خریدتے ہیں اور یہ مسلمان دکان دار ان چیزوں کو مسلمان تاجروں سے حاصل کرتے ہیں، کھانے کے ہوٹل بھی ان مسلمانوں کی زیر نگرانی چلتے ہیں، جہاں ہر طرح حرام کی آلایش سے محفوظ کھانے مہیا ہوتے ہیں۔

امریکہ کے ان سیاہ فام مسلمانوں نے تعلیم و تربیت کا ایک خاص پروگرام بنایا ہے، اور اس پر وہ پوری تندہی اور اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہیں، اسلامی کی نشر و اشاعت کے لئے ان کے بڑے بڑے مرکز ہیں جو دینی زندگی کیساتھ مادی زندگی کی تنظیم کا کام بھی انجام دیتے ہیں، مثلاً اقتصادیات کی تنظیم وغیرہ۔

اس طرح یہ عنصر امریکہ جیسے پرشور اور ہنگامہ خیز ملک میں رہتے ہوئے، ایک ایسے تعمیری دور کی ابتدا کر چکا ہے جو اس کے مستقبل کے لئے ایک ایسی لازوال دولت رکھتا ہے جو ہر وقت اس کی دسترس میں ہے اور جس کے لئے سچی پیاس اور طلب صادق شرط ہے۔

Phone : 0522-2255257
IZHARSON PERFUMERS
لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات
عطریات، روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روح گلاب،
روح کیوڑہ، عرق کیوڑہ، عرق گلاب، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
کی ایک قابل اعتماد دکان
ایک مرتبہ تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں
تیار کردہ
اظہارسن پرفیومرس
اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ ۳
Izharson Perfumers
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-226003 (India)
E-mail : izharsonperfumers @yahoo.com

اپنی نوعیت کی ایک منفرد سہ لسانی لغت
"انگریزی، عربی، اور اردو ڈکشنری"
(تین جلدوں میں)
سنگم
از : جناب حکیم عزیز الرحمٰن الاعظمی
جس میں ہر ہر انگریزی حرف سے بننے والے بیشمار الفاظ و مشتقات ابجدی ترتیب سے درج کر کے ان کے متبادل اور ہم معنی عربی اور اردو میں مستعمل الفاظ لکھے ہیں۔
تحقیق و تصنیف اور ترجمہ کا کام کرنے والوں کے لئے
ایک نادر و نایاب تحفہ
فی جلد =/200 روپے -- کل صفحات 2278
ناشر : مکتبہ فردوس، مکارم نگر، بردلیا، نیگور مارگ، لکھنؤ ۲۲۶۰۲۰

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali 'Aminabad'
Lucknow - 2218636, 2258115
Mobile - 9415001207

گبدون
جگر اور پتہ کی خرابیوں کو دور کرنے والا بے نظیر سیرپ
☆ پیلیا، اور جگر
☆ اور پتہ کے درد،
☆ کمزوری، ذرہ اور
☆ چھری کا بے نظیر سیرپ

لیکوڈرین
لیکوریا کی تیر بہدف دوا
لیکوریا میں یہ دوا مفید ترین دوا ہے
عورت کو تندرست رکھنے میں بے مثل ہے
قوت باہ میں اضافہ کرتا ہے، شرعت انزال اور کثرت احتلام
لیکوریا میں یہ دوا موثر و مفید ہے

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coat-Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں
menmark
58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone (R) 221698 (O) 2227443

حسنی فارمیسی
۱۷۷/۳۱ کوئن روڈ، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸ (انڈیا)
(2)(O) 2202677 M : 94150 28675, 941505047